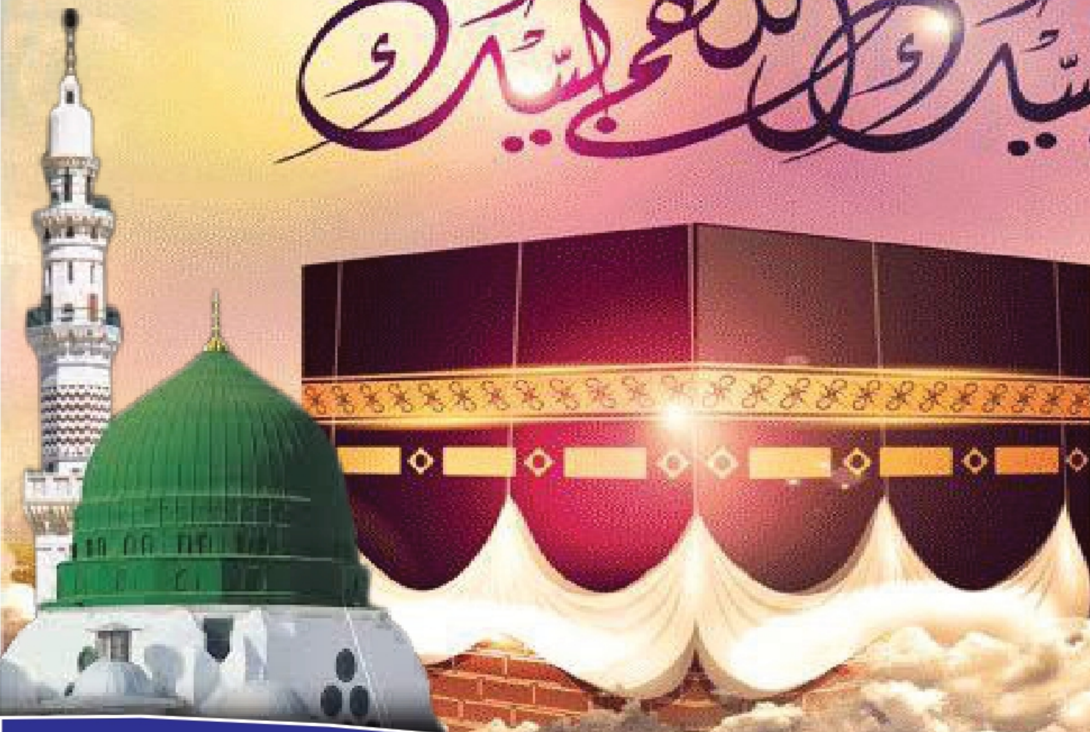
الغزالی فورم کا ترجمان

افکارِ قاسمی



شمارہ یکم جولائی تا ستمبر ۲۰۲۲ء



https://www.algazali.org

الغزالی فورم

شائع کردہ

مجلہ

افکارِ قاسمی

بدعا: شیخ الحدیث مولانا خادم حسین صاحب

زیر سرپرستی
مولانا مبارک علی مظاہری

زیر نگرانی
مولانا کلیم احمد قاسمی

مدیر اعلیٰ
مفتی جسیم الدین شرر قاسمی

مدیر التحریر
مولانا محمد داؤد الرحمن علی

مدیر شعبہ خواتین
معلمہ زنیرہ عقیل

کمپوزنگ
احمد عدیل غزالی

الغزالی

- دینی، علمی، اصلاحی، کمپوز شدہ مضامین قابل قبول ہوں گے۔
- نزاعی اور اختلافی نیز سیاسی مضامین شائع نہیں ہوں گے۔
- مضمون نگاروں کی تمام آراء سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔
- تمام کمپوز شدہ مضامین صرف بذریعہ ای میل ارسال کریں۔
- ہر شمارہ ڈاؤنلوڈ کر کے محفوظ کرلیں ای میل سے نہیں بھیجا جائے گا۔

الغزالی اردو فورم www.algazali.org

فہرست مضامین

ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

عاشقانہ سفر

ادار یہ، مدیر التحریر کے قلم سے

پوری دنیا سے عاشقین، محبین اور پروانے جوق در جوق مناسک حج ادا کرنے کے لیے حرم کعبہ میں پہنچ رہے ہیں۔حرم کعبہ کی پاک فضائیں ''لبیک اللھم لبیک'' کی صداؤں سے سے گونج رہی ہیں۔رب کے بندے اپنے رب کے حضور ندامت کے آنسو بہا رہے ہیں اور اپنے رب کی خوشنودی وکرم نوازیاں حاصل کرنے کے لیے رب تعالیٰ کے حضور گڑگڑا رہے ہیں۔

حرم کعبہ وہ جگہ ہے جہاں نہ کوئی امیر نہ کوئی غریب، نہ کوئی کالا، نہ کوئی گورا، نہ عربی نہ عجمی، نہ بادشاہ نہ عوام بلکہ سب کے سب خلاق اعظم کے بندے ہیں اور اسی کے گھر کے سامنے اسی کی عبادت میں مصروف ہیں۔خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو اللہ پاک حج جیسی عظیم نعمت سے نواز رہے ہیں۔

انسانی طبیعت یہ تقاضاء کرتی ہے کہ انسان اپنے وطن، اہل وعیال، دوست ورشتہ دار اور مال ودولت سے انسیت ومحبت رکھے اور ان کے قریب رہے۔جب آدمی حج کے لیے جاتا ہے؛ تو اسے اپنے وطن اور بیوی وبچے اور رشتے دار، عزیز واقارب کو چھوڑ کر اور مال و دولت خرچ کر کے جانا پڑتا ہے۔یہ سب اس لیے کرنا پڑتا ہے کہ حج کی ادائیگی شریعت کا حکم ہے۔یہی وجہ ہے کہ شریعت نے حج کے حوالے سے بہت ہی رغبت دلائی ہے، انسان کو کعبہ مشرفہ کے حج وزیارت پر ابھارا، سب سے بڑھ کر شریعت نے حج کا اتنا اجرو ثواب متعین فرمایا ہے کہ سفر حج ایک عاشقانہ سفر بن جاتا ہے۔حج کی فضیلت قرآن وحدیث میں وارد ہوئی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

''حج کے چند مہینے معلوم ہیں، سو جو کوئی ان میں حج کا قصد کرے تو مباشرت جائز نہیں اور نہ گناہ کرنا اور نہ حج میں لڑائی جھگڑا کرنا، اور تم جو نیکی کرتے ہو اللہ اس کو جانتا ہے۔'' (سورہ بقرہ، آیت: ۱۹۷)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''کسی گناہ کے بغیر، اس کا ظاہری مطلب صغائر وکبائر (چھوٹے اور بڑے): سارے گناہوں کا معاف کیا جانا ہے''۔(فتح الباری)

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ سب سے افضل عمل کونسا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا، عرض کیا گیا، اس کے بعد فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، عرض کیا گیا، اسکے بعد فرمایا: حج مبرور، ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ درمیانی عرصہ کے گناہوں کا کفارہ ہے اور حج مبرور کی جزا صرف جنت ہے (اسکے علاوہ کوئی اور جزا نہیں ہوسکتی)

ایک اور حدیث میں ہے کہ "پے در پے حج اور عمرے کیا کرو کیونکہ یہ دونوں فقر اور گناہوں سے اس طرح صاف کر دیتے ہیں جیسے بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے میل کو صاف کر دیتی ہے اور حج مبرور کا ثواب صرف جنت ہے۔

حج وعمرہ ایسی عبادات یں جو آپ کے گناہوں اور فقر کو ختم کر دیتی ہے۔ حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''حج اور عمرہ پر دوام برتو؛ کیوں کہ یہ دونوں فقر اور گناہوں کو ختم کرتے ہیں، جیسا کہ دھونکنی لوہا سے زنگ کو دور کر دیتی ہے'' (المعجم الاوسط، حدیث: ۳۸۱۴)

اسی طرح ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

''حج اور عمرہ ایک ساتھ کیا کرو؛ کیوں کہ یہ دونوں فقر اور گناہوں کو مٹاتے ہیں جیسا کہ بھٹی لوہا، سونا اور چاندی سے زنگ ختم کر دیتی ہے اور حج مبرور کا ثواب جنت ہی ہے''۔ (ترمذی شریف، حدیث نمبر: ۸۱۰)

حجاج اکرام کی دعائیں قبول کی جاتی ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی مانگ ان کو عطا فرماتے ہیں، ان کی دعاؤں کو قبول کرتے ہیں، ان کی شفارش قبول کرتے ہیں اور ان کے لیے ہزار ہزار گنا تک ثواب بڑھایا جاتا ہے''۔ (اخبار مکۃ للفاکہی، حدیث: ۹۰۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:

اللہ کے راستے کا مجاہد اور حج وعمرہ کرنے والے اللہ کے مہمان ہیں۔ اللہ نے انہیں بلایا؛ لہٰذا انہوں نے اس پر لبیک کہا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مانگا ہے؛ تو اللہ نے ان کو نوازا ہے''۔ (ابن ماجہ، حدیث: ۲۸۹۳)

اس لیے بڑے خوش نصیب لوگ ہیں جو حج کی سعادت حاصل کرنے کے لیے حرم کعبہ پہنچ چکے ہیں یا پہنچ رہے ہیں۔ حجاج اکرام سے دعاؤں کی درخواست کرنی چاہیئے کیونکہ رب تعالیٰ حاجی کی دعا کو قبول کرتا ہے۔ حجاج اکرام کو بھی چاہیئے جہاں بھی اللہ کے حضور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائیں وہاں اپنے والدین عزیز واقارب دوست احباب بطور خاص امت محمدیہ ﷺ کو ضرور بالضرور یاد رکھیں۔

دعا ہے امسال جو حجاج اکرام حج کی نیت سے حرم پہنچے ہیں رب کریم ان کی عبادات، اذکار، تلاوت، حج، قربانی و دعائیں قبول فرمائیں اور ہمیں بھی زندگی میں بار بار حج بیت اللہ کی سعادت نصیب فرمائیں۔ آمین ثم آمین



حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
”حج اور عمرہ ایک کے بعد دوسرے کو ادا کرو اس لیے کہ یہ دونوں فقر اور گناہوں کو اس طرح مٹا دیتے ہیں جیسے بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کے میل کو مٹا دیتی ہے اور حج مبرور کا بدلہ صرف جنت ہے“۔
(سنن ترمذی)

درس قرآن

حضرت مولانا خادم حسین صاحب دامت برکاتہم العالیہ

اِیّاکَ نَعْبُدُ

عبادت میں دو چیزیں ہوتی ہیں۔غایت تذلل،غایت تعظیم۔

یعنی عابد میں انتہائی عاجزی ہواور معبود میں انتہائی عظمت ہواس واسطے عبادت اللہ کے سوا کسی کیلئے جائز نہیں۔

معبود کے لئے دو چیزوں یعنی عالم الغیب اور متصرف الامور مطلقاً ہونا ضروری ہے یعنی ذرّہ ذرّہ کا علم رکھتا ہواور ہر قسم کے تصرف کی قدرت بھی رکھتا ہو،اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اپنے مستحق عبادت ہونے کیلئے انہی دو چیزوں کو دلیل بنایا ہے،جیسا کہ:

للّٰہ غیب السمٰوات والارض والیہ یرجع الامر کلہٗ فاعبدہُ وتوکل الیہ (ھود:۱۲۳)

اور جہاں کہیں غیر اللہ سے عبادت کی نفی کی تو وہاں بھی انہی دو صفات کی نفی کو بنیاد بنایا،جیسا کہ:

قل اتعبدون من دون اللّٰہ ما لا یملک لکم ضرًّا ولَا نفعًا (المائدہ:۷۶)

کیونکہ نفع نقصان کا مالک وہی ہوسکتا ہے جس میں علم اور قدرت ہو،ان میں دونوں چیزیں مفقود ہیں۔

وایاک نستعین

استعانت عبادت کی اہم شاخ ہےاور وہ دو قسم پر ہے:

(۱)اپنی حاجات ومشکلات میں پکارنا اور مدد حاصل کرنا......اگر یہ مافوق الاسباب ہوتو یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے،جیسے کہ فرمایا

”وقال ربکم ادعونی استجب لکم“(المومن:۶۰)

(۲)اور ماتحت الاسباب غیروں سے جائز ہے،جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا”**من انصاری اِلی اللّٰہ**“(آل عمران:۵۲) ذوالقرنین نے کہا”**فاعینو نی بقوۃٍ**“(الکھف:۱۵)ایک اور جگہ فرمایا”**والرسول یدعوکم فی اُخرٰکم**“(آل عمران:۱۵۳)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں،”**الفاتحۃ سِرّ القرآن وسِرُّ ھاھٰذہ الکلمۃ**“یعنی سورۃ فاتحہ قرآن پاک کا مغز ہےاور فاتحہ کا مغز ”**ایاک نعبدو ایاک نستعین**“ ہے۔(عقد الجواھرات من خلاصۃ السور وآیات)

درس حدیث

حضرت مولانا خادم حسین صاحب دامت برکاتہم العالیہ

فُضِّلْتُ عَلَى الْاَنْبِيَآءِ بِسِتَّةٍ اُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَاُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ طُهُوْرًا وَمَسْجِدًا وَاُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَآفَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ۔ (عن ابی ہریرۃ۔ کنز العمال ج ۶ ص ۱۸۵۔ مشکوٰۃ ومسلم ص ۵۱۲)

میں تمام انبیاء پر چھ چیزوں کے ساتھ فضیلت دیا گیا ہوں (۱) جامع کلمات دیا گیا ہوں (۲) رعب کے ساتھ مدد کیا گیا ہوں (۳) میرے لیے مالِ غنیمت کو حلال قرار دیا گیا ہے۔ (۴) میرے لئے ساری زمین کو مسجد اور پاکی کا حکم دیا گیا ہے۔ (۵) میں تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (۶) اور میرے ساتھ نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

عَنْ جابرٍ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِيْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَلَا فَخْرَ۔

حضرت جابر سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمام انبیاء کا قائد ہوں اور میں خاتم الانبیاء ہوں، فخر سے نہیں کہتا۔

اَنَا اَوَّلُ النَّاسِ خُرُوْجًا اِذَا بُعِثُوْا وَاَنَا قَائِدُهُمْ اِذَا وَفَدُوْا وَاَنَا خَطِيْبُهُمْ اِذَا اَنْصَتُوْا وَاَنَا مُسْتَشْفِعُهُمْ اِذَا حُبِسُوْا وَاَنَا مُبَشِّرُهُمْ اِذَا اَيِسُوْا وَالْكَرَامَةُ وَالْمَفَاتِيْحُ يَوْمَئِذٍ بِيَدِيْ وَلِوَاءُ الْحَمْدِ يَوْمَئِذٍ بِيَدِيْ وَاَنَا اَكْرَمُ وُلْدِ اٰدَمَ عَلٰى رَبِّيْ يَطُوْفُ عَلَيَّ اَلْفُ خَادِمٍ كَاَنَّهُمْ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ اَوْ لُؤْلُؤٌ مَّنْثُوْرٌ۔ (ترمذی۔ مشکوٰۃ ۵۱۴)

جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو پہلے میں اٹھوں گا۔ جب وفد بن کر اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوں گے تو میں قائد ہوں گا۔ جب وہ خاموش ہونگے تو میں ان کا خطیب ہوں گا۔ جب وہ روکے جائیں گے میں سفارش کروں گا۔ جب وہ ناامید ہوں گے میں ان کو خوشخبری دوں گا۔ کرامت اور ہر خیر کی چابیاں اس دن میرے ہاتھ میں ہوں گی۔ اس دن حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اپنے رب کے ہاں میں تمام اولاد آدم سے معزز ہوں گا۔ میرے اردگرد ہزار غلام گھوم رہے ہوں گے جو خوبصورتی میں صاف ستھرے سفید انڈوں یا بکھرے ہوئے موتیوں کی طرح محسوس ہونگے۔ (ترمذی مشکوٰۃ ۵۱۴) (سِلکُ الدُّر وَارِیدِ مِن سِیرَۃِ الحَبِیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

تیرے بن میرا کوئی نہیں اللہ

کلام: ایم راقم صاحب

تو مرا حاجت روا مشکل کشا تیرے بن کوئی نہیں میرا اللہ
صدقِ دل سے کہہ رہا ہوں برملا صدقِ دل سے کہہ رہا ہوں برملا

میرے مولا دل مرا بھی صاف ہو کر دے مجھ کو تو خودی سے آشنا
دنیا والوں سے مرا انصاف ہو صدقِ دل سے کہہ رہا ہوں برملا

پھر سے اپنا تو بنالے اے خدا معصیت کا مجھ پہ ہے غلبہ ہوا
صدقِ دل سے کہہ رہا ہوں برملا معصیت نے مجھ کو رسوا کردیا

معصیت سے یا خدا مجھ کو بچا بندگی اپنی الٰہی کر عطا
صدقِ دل سے کہہ رہا ہوں برملا پھر کبھی مجھ سے نہ ہونا تو خفا

واسطہ ہے تجھ کو تیرے یار کا ہو کرم راقم پہ ربِّ مصطفیٰ
صدقِ دل سے کہہ رہا ہوں برملا دردِ دل سے کہہ رہا ہے یہ صدا

عزّت و زلت کا تو ہے بادشاہ
صدقِ دل سے کہہ رہا ہوں برملا

السلام السلام

کلام: ایم راقم صاحب

سیدالانبیاء، تاجدار حیا خاتم الانبیاء، احمد مجتبیٰ
تو کجا من کجا، تجھ پہ لاکھوں سلام السّلام السّلام السّلام السّلام

اے یتیمِ حرم، اے مقیمِ حرم اے نسیمِ حرم، اے حلیمِ حرم
اے حکیمِ حرم، تجھ پہ لاکھوں سلام السّلام السّلام السّلام السّلام

اے رداءِ حیا،اے حبیبِ خدا ابراہیمی دعا، تاجدارِ ہدیٰ
اے شفیع الوریٰ، تجھ پہ لاکھوں سلام السّلام السّلام السّلام السّلام

اے نسیمِ سحر، اے امیرِ سفر جنتی تیرا گھر، دیکھا ٹکڑے قمر
دور آئے شجر، تجھ پہ لاکھوں سلام السّلام السّلام السّلام السّلام

ہر سو چرچا ترا،کھائیں صدقہ ترا تاجدارِ سخا، گھونجے نعرہ ترا
مصطفیٰ مجتبیٰ، تجھ پہ لاکھوں سلام السّلام السّلام السّلام السّلام

ہر اذاں میں ہے تو،ہر جہاں میں ہے تو ہر زباں پر ہے تو،سب کی جاں میں ہے تو
گلستاں میں ہے تو، تجھ پہ لاکھوں سلام السّلام السّلام السّلام السّلام

شافع المرسلیں،صادق المرسلیں　　　　خاتم المرسلیں، چہرا تیرا حسیں

تجھ سا کوئی نہیں، تجھ پہ لاکھوں سلام　السَّلام　السَّلام　السَّلام　السَّلام

تو ہے حق کی صدا،شاں تری ماوریٰ　اے شہء انبیا، رتبہ تیرا جدا

خود خدا نے کہا، تجھ پہ لاکھوں سلام　السَّلام　السَّلام　السَّلام　السَّلام

ذکر تیرا عیاں،ہو سکے نہ بیاں　کہہ رہی ہے زباں، میرا دل میری جاں

تاجدارِ جہاں، تجھ پہ لاکھوں سلام　السَّلام　السَّلام　السَّلام　السَّلام

نام قاسم ترا،ذکر دائم ترا　کام راحم ترا،اونچا داہم ترا

منگتا راقم ترا، تجھ پہ لاکھوں سلام

السَّلام　السَّلام　السَّلام　السَّلام

فضائل ذی الحجہ

محمد داؤد الرحمن علی

فضیلت والے مہینے

اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں

''اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ''

''حقیقت یہ ہے کہ الہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔جو اللہ کی کتاب (یعنی لوح محفوظ) کے مطابق اس دن سے نافذ چلی آتی ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ان بارہ مہینوں میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں، یہی دین (کا) سیدھا سادہ (تقاجا) ہے،لہذا ان مہینوں کے معاملے میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔'' (سورۃ التوبہ،آیت نمبر ۳۶)

حرمت والے چار مہینے ہیں:''۱۔ذیقعدہ ۲۔ذی الحجہ ۳۔محرم ۴۔رجب'' (**تفسیر ابن کثیر ط العلمية** (۴/۱۲۷)

فضائل ذی الحجہ

ذی الحجہ اسلامی اور قمری سال کا آخری مہینہ ہے۔اس کی حرمت روز اوّل سے مسلم ہے۔حرمت کے چار مہینوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔یہ مہینہ بابرکت، مبارک اور اس کی فضیلت قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔اس مہینے کی کچھ عبادات ایسی ہیں جو سال کے کسی مہینے اور دن میں نہیں کی جاسکتیں، جیسے حج اور قربانی۔

مسلمان ان عبادات کو اپنی اپنی استطاعت کے مطابق بجالاتے ہیں،سبقت کی کوشش کرتے ہیں، محنتیں اور مشقتیں اٹھاتے ہیں، کوئی حج کی عبادت میں سرگرداں رہتا ہے،کوئی قربانی کی عبادت میں مصروف ہوتا ہے۔

''ذی الحجہ کا پورا مہینہ ہی قابل احترام ہے لیکن اس کے ابتدائی دس دن تو بہت ہی فضیلت اور عظمت والے ہیں۔اس ماہ کی ابتدائی دس راتیں لیلۃ القدر کا مرتبہ رکھتی ہیں۔'' (مشکوٰۃ ۱۲۸)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ’’کوئی ایسے دن نہیں جن میں نیک اعمال اللہ جل شانہ کو عشرۂ ذی الحجہ (میں نیک اعمال) سے زیادہ محبوب ہوں، پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اللہ کے راستے میں جہاد سے بھی (ان دنوں کی عبادت افضل ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (جی ہاں) اللہ کے راستے میں جہاد بھی برابر نہیں ہو سکتا مگر وہ شخص جو اللہ کے راستے میں جان و مال سمیت نکلے اور ان میں سے کسی چیز کے ساتھ واپس نہ لوٹے۔‘‘ (رواہ البخاری مشکوٰۃ المصابیح، رقم الحدیث: ۱۴۶۰، باب فی الأضحیۃ)

’’اللہ جل شانہ کی عبادت و بندگی اور حسن عمل کے لئے عشرہ ذی الحجہ سے بہتر کوئی زمانہ نہیں یہ وہ خاص عشرہ ہے جس میں کیا جانے والا عمل اللہ رب العزت کو بے حد محبوب ہے اور اس کی بڑی قدر و قیمت ہے۔‘‘ (معارف الحدیث ص: ۴۱۷، ج: ۳)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ’’اللہ رب العزت کو نیک عمل جتنا ذی الحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں محبوب ہے اتنا کسی اور دنوں میں نہیں۔‘‘ (صحیح بخاری)

حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں: ’’ذی الحجہ کی پہلی دس راتوں میں اپنے چراغ نہ بجھایا کرو (یعنی رات میں قیام اور قرأت کا اہتمام کرو) آپ کو ان ایام میں عبادت بہت پسند تھی اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ اپنے خادموں کو اٹھایا کرو تا کہ وہ سحری کریں اور عرفہ کے دن کا روزہ رکھیں۔‘‘ (حلیت الاولیاء ص: 281، ج: 4، سیر اعلام النبلاء ص: 236، ج: 4)

دس راتوں کی قسم

اللہ رب العزت سورۃ الفجر میں ارشاد فرماتے ہیں

’’وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْر‘‘

قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی جفت اور طاق کی اس رات کی جب وہ رات کو چلے۔ اس آیت میں فجر سے مراد صبح اور عشر سے مراد نہر ہے یعنی ذی الحجہ کا پہلا عشرہ جس میں قربانی کا دن بھی شامل ہے، وتر سے مراد یوم عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ اور شفع سے مراد دسویں ذی الحجہ ہے۔ (شعب الایمان ص ۳۵۲، ج: ۳)

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں کسی چیز کا قسم اُٹھانا اپنی کسی بات کی توثیق کے لیے نہیں ہوتا، بلکہ جس چیز کی قسم اللہ تعالیٰ اٹھاتے ہیں تو اس سے مقصود اس کی جلالت شان اور عظمت کو بیان کرنا ہوتا ہے۔ یہاں پر بھی ذوالحجہ کی پہلی دس راتوں کی اہمیت اور فضیلت کو اجاگر کرنا مقصود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عشرہ ذوالحجہ کو مختلف عبادتوں کے ذریعہ خصوصیت بخشی ہے۔ اس پورے عشرہ میں اسلام کے اہم ترین اعمال انجام دئے جاتے ہیں اور عبادتوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

بال اور ناخن نہ کاٹنا

عشرہ ذوالحجہ کی آمد کے ساتھ سب سے پہلا حکم اس شخص کے لئے عائد ہوتا ہے جو قربانی کا ارادہ رکھتا ہو کہ وہ اپنے ناخن و بال نہ کاٹے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

"اذا رایتم ھلال ذی الحجۃ وارادا احدکم ان یضحی فلیمسک عن شعرہ و اظفارہ۔" (مسلم، حدیث نمبر ۳۶۶۲)

جب کسی شخص کا قربانی کا ارادہ ہو تو وہ ذی الحجہ کا پہلا عشرہ شروع ہوتے ہی اپنے بال و ناخن کٹوانے سے پرہیز کرے۔ یہ حکم مستحب ہے اور ان لوگوں کے لئے جو قربانی دینے والے ہوں، ذوالحجہ کا چاند دیکھنے سے لیکر جب تک کہ ان کی طرف سے قربانی نہ ہو جائے۔ اس وقت تک سر کے بالوں اور دیگر بالوں کو نکالنے اور ناخن کاٹنے سے احتیاط کرنا چاہئے، جو لوگ قربانی دینے والے نہیں ہے ان کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص قربانی دینے سے پہلے ایسا کر لے تو کوئی گناہ نہیں اور اس سے قربانی میں خلل نہیں آتا۔ (ذوالحجہ اور قربانی کے فضائل و احکام: ۳۴)

عشرۂ ذی الحجہ میں تسبیحات کی کثرت

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ۔ (الحج 28)

اور چند مقررہ دنوں میں اللہ کا نام لیں۔

ان مقررہ دنوں سے بعض حضرات نے ذوالحجہ کا عشرہ مراد لیا ہے۔ (روح المعانی: ۱۴۵، ج: ۱۷)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ جل شانہ کے نزدیک عشرۂ ذی الحجہ کے برابر زیادہ عظمت والے دن کوئی نہیں اور نہ کسی دنوں میں نیک عمل اتنا پسند ہے (جتنا ان دنوں میں) پس تم ان دنوں میں کثرت سے تسبیح (سبحان اللہ)، تکبیر (اللہ اکبر) اور تہلیل (لا الہ الا اللہ) کیا کرو۔" (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث: ۱۱۱۱۶)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "کوئی دن بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عظیم اور پسندیدہ نہیں ہے جن میں کوئی عمل کیا جائے، ذوالحجہ کے ان دس دنوں کے مقابلے میں، تم ان دس دنوں میں تہلیل، تکبیر اور تحمید کی کثرت کیا کرو۔ (مسند احمد، حدیث نمبر ۵۲۹۴)

یوم عرفہ:

یوم عرفہ کے دن کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی دن ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ عرفہ (نویں ذوالحجہ) کے دن سے زیادہ بندوں کو جہنم سے نجات دیتے ہوں اور اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن بندوں کے سب سے قریب ہوتے ہیں پھر فخر سے فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ یہ بندے کیا چاہتے ہیں؟ (مسلم حدیث نمبر 2410)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن (نویں ذوالحجہ) اپنے بندوں پر نظر فرماتا ہے اور جس کے دل میں ذرا سا بھی ایمان ہوتا ہے وہ ضرور بخش دیا جاتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ان کے شاگرد حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا کہ یہ مغفرت تمام لوگوں کیلئے یا عرفات والوں کیلئے خاص ہے۔ انہوں نے فرمایا یہ مغفرت تمام لوگوں کے لئے ہے۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان کو کسی بھی دن اتنا ذلیل وخوار، اتنا دھتکارا ہوا اور اتنا جلا بھنا ہوا نہیں دیکھا گیا جتنا کہ وہ عرفہ کے دن ذلیل وخوار اور سیاہ غضبناک دیکھا جاتا ہے اور یہ صرف اس لئے کہ وہ اس دن رحمت کو (موسلا دھار) برستے ہوئے اور بڑے بڑے گناہوں کی معافی کا فیصلہ ہوتے ہوئے دیکھتا ہے۔ (شعب الایمان)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے غنیّہ میں لکھا ہے کہ جو شخص ذوالحجہ کے دس دنوں کی عزت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے دس چیز مرحمت فرما کر اس کی تکریم کرتا ہے۔

(۱) عمر میں برکت (۲) مال میں برکت واضافہ (۳) اہل وعیال کی حفاظت (۴) گناہوں کا کفارہ (۵) نیکیوں میں اضافہ (۶) نزع میں آسانی (۷) ظلمت میں روشنی (۸) میزان میں وزن (۹) دوزخ کے طبقات سے نجات (۱۰) جنت کے درجات پر عروج۔

ذی الحجہ کے روزے و نویں ذی الحجہ کے روزے کی خاص فضیلت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ایسا کوئی دن نہیں ہے جس میں عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کو عشرۂ ذی الحجہ میں عبادت کرنے سے زیادہ محبوب ہو، اس کے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔ اور اس میں ہر رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔'' (جامع الترمذی، رقم الحدیث: ۷۵۸)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''میں اللہ سے امید کرتا ہوں کہ یومِ عرفہ کا روزہ گزشتہ ایک سال اور آئندہ ایک سال کے گناہوں کے لیے کفارہ بن جائے گا۔'' (سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۷۴۹)

اہم وضاحت: اگر حاجی کو اس روزے کی وجہ سے یومِ عرفہ کے قیمتی دن کی عبادات اور دعا مانگنے میں خلل پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، تو ایسی صورت میں حاجی کے لیے یہ روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ (شامی)

مسئلہ: واضح رہے کہ یکم ذوالحجہ سے نو ذوالحجہ تک روزہ رکھنا مستحب ہے لیکن عید کے دن روزہ رکھنا شرعاً ممنوع ہے کیوں کہ حدیث میں اس دن روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے، اسی طرح عیدالاضحیٰ کے دوسرے اور تیسرے دن بھی روزہ رکھنا جائز نہیں۔ البتہ عیدالاضحیٰ کے دن اگر کوئی شخص اپنے کھانے اگر کوئی شخص اپنے کھانے کی ابتداء قربانی کے گوشت سے کرے اور اس سے پہلے کچھ نہ کھائے تو اس کو فقہاء کرام نے مستحب لکھا ہے اور یہ عمل سنت سے ثابت ہے۔ (بدائع الصنائع ہندیہ)

تکبیرات تشریق وتکبیرات تشریق کس پر واجب ہیں؟

تکبیراتِ تشریق: "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد"

تکبیراتِ تشریق واجب ہونے کے لیے تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

۱۔ مقیم ہونا، مسافر پر تکبیر کہنا واجب نہیں۔ ۲۔ شہر ہونا، گاؤں والوں پر تکبیر کہنا واجب نہیں۔ ۳۔ جماعتِ مستحبہ ہونا، اکیلے نماز پڑھنے والوں پر واجب نہیں۔

لہٰذا اگر کسی شخص میں یہ تینوں شرائط موجود ہوں تو ایام تشریق میں اس پر تکبیر تشریق واجب ہے، اگر ان میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو اس پر تکبیرِ تشریق واجب نہیں تاہم حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ تکبرات تشریق ہر اس شخص پر واجب ہے جس پر نماز فرض ہے لہٰذا منفرد مرد وعورت، مسافر اور گاؤں والوں سب پر تکبیر واجب ہے۔ بعض فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے قول کو ترجیح دی ہے، اس لیے اگر صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر عمل کیا جائے تو اس میں زیادہ احتیاط ہے اور بہتر ہے۔ (مأخذہ فتاویٰ عثمانی: ۵۴۹/۱ بتصرف)

مفتیٰ بہ قول کے مطابق تکبیرات تشریق نو ذوالحجہ کی فجر سے لے کر عید کے چوتھے دن یعنی تیرہ ذوالحجہ کی نماز عصر تک ہر فرض نماز کے بعد ایک دفعہ بلند آواز سے کہنا واجب ہے، البتہ عورتیں یہ تکبیرات آہستہ آواز سے کہیں۔ واضح رہے کہ تکبیرات تشریق صرف ایک مرتبہ کہنا واجب ہے، ایک سے زیادہ مرتبہ کہنا خلافِ سنت ہے۔ (شامی)

عید کے مسنون اعمال

عیدالاضحیٰ کے دن (اور دیگر ایام میں بھی) سب سے پہلا اور اہم کام یہ ہے کہ نماز فجر جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھنے کا اہتمام کیا جائے، اور دیگر نمازیں بھی اپنے اپنے وقت پر باجماعت مسجد میں ادا کی جائیں۔

نماز فجر کی ادائیگی کے بعد عید کی نماز کی تیاری کی جاتی ہے، اس وقت کے اعمال یہ ہیں:

ا۔سنت کے مطابق غسل کرنا۔ ۲۔مسواک کرنا۔ ۳۔اپنے پاس موجود سب سے اچھے کپڑے پہننا۔ ۴۔خوشبو لگانا۔

عیدگاہ جاتے ہوئے تکبیرات تشریق کا حکم

عیدگاہ جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر تشریق (اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد) کہنا سنت ہے۔(شامی)

عید کی نماز کے بعد معانقہ کرنا اور عید مبارک کہنا

عید کے موقع پر معانقہ کرنا سنت سے ثابت نہیں۔لہٰذا اس کو عید کی سنت سمجھ کر کرنا اور اس کو باعثِ ثواب اور ضروری سمجھ کر اس کی پابندی کرنا بدعت ہے، البتہ اگر سنت سمجھے بغیر کر لیا جائے تو بدعت نہیں۔تاہم اگر مسجد میں معانقہ کیا جائے تو مسجد کے تقدس کا خیال کرنا ضروری ہے۔(ماخذہ، فتاوٰی عثمانی، بتصرف:۱/۱۰۳)

''عید مبارک'' ایک دعا ہے اور دعا ہونے کی حیثیت سے اس کا استعمال درست ہے، جیسا کہ بعض روایات سے عید کے دن تقبل اللہ منا ومنک کہنا ثابت ہے۔(کما روی عن واثلۃ رضی اللہ عنہ مرفوعا، السنن الکبری للبیہقی، رقم الحدیث:۶۲۹۵)

عیدگاہ کا آتے اور جاتے ہوئے راستہ تبدیل کرنا سنت ہے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن راستہ بدل دیتے تھے۔(صحیح البخاری، رقم الحدیث:۹۸۶)

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز کے لیے جس راستہ سے عیدگاہ تشریف لے جاتے، واپسی میں اس کو چھوڑ کر دوسرے راستے سے تشریف لاتے تھے۔

دعا ہے اللہ پاک ذی الحجہ کے ان فضیلت کو حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ثم آمین

☆☆☆☆

اسلام میں حج کا تصور

مولانا زاھد الراشدی صاحب

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ ذی الحج کا مہینہ ہمارے اسلامی سال کا آخری مہینہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس مہینے میں حج اور قربانی کی دو بڑی عبادتیں ہمیں عطا فرمائی ہیں۔ حج کے لیے دنیا بھر سے مسلمان حرمین شریفین میں جمع ہوتے ہیں اور ۸ ذی الحج سے لے کر ۱۳ ذی الحج تک حج ادا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ حج سے پہلے یا بعد میں جناب نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے روزہ اطہر پر حاضری دیتے ہیں، مسجد نبوی میں نمازیں پڑھتے ہیں اور برکات وسعادتیں حاصل کر کے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں۔ اس سال اندازہ کیا جارہا ہے کہ تقریباً پچیس لاکھ مسلمان حج ادا کریں گے۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مہربانی ہے کہ حج کے مناسک کے لیے دنیا کے ہر کونے سے مسلمان وہاں جمع ہوتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کی وحدت کی علامت بھی ہے، کعبہ کی مرکزیت کی علامت بھی ہے اور اِس بات کی علامت بھی ہے کہ مسلمانوں میں آج بھی تمام تر رکاوٹوں اور کمزوریوں کے باوجود دین اسلام کا جذبہ بیدار ہے۔ اور فتنوں کے اِس دور میں بھی اللہ سے، دین سے، بیت اللہ سے، مسجد نبوی سے اور حضورؐ کی ذات گرامی سے تعلق اور محبت کا رشتہ قائم ہے۔ اِس کا اِظہار حرمین شریفین میں ہر سال پورے جوش وخروش کے ساتھ رمضان المبارک اور پھر خاص طور پر حج کے دنوں میں ہوتا ہے۔ پھر یہی نہیں بلکہ سارا سال تسلسل کے ساتھ کسی وقفے کے بغیر یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

جاہلیت کے زمانے میں جناب نبی کریمؐ کی بعثت سے پہلے بلکہ آپؐ کی ہجرت کے بعد بھی حج ہوتا تھا۔ فتح مکہ سے پہلے مؤمنین، مؤحدین اور مشرکین سب اپنے اپنے ذوق کے مطابق حج کرتے تھے۔ لیکن جاہلیت کے دور میں حج کا جو تسلسل چلا آرہا تھا، جناب نبی کریمؐ نے اس میں چند اصلاحات اور تبدیلیاں فرمائیں۔ میں اُن تبدیلیوں اور اصلاحات کا کچھ تذکرہ آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔

۹ ہجری، اصلاحات اور تبدیلیوں کا سال

فتح مکہ ۸ ہجری کے سال ہوئی۔ فتح مکہ کے بعد پہلا حج ۹ ہجری میں آیا۔ نبی کریمؐ نے ۹ ہجری کا حج ادا نہیں فرمایا بلکہ آپؐ مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ آپؐ نے حضرت صدیق اکبرؓ کی اِمارت میں صحابہ کرامؓ کو ادائیگیٔ حج کے لیے بھیجا۔ حضورؐ نے ۹ ہجری کا سال اصلاحات وتبدیلیوں کے لیے استعمال کیا۔ آپؐ نے حضرت صدیق اکبرؓ کے ذریعے ۹ ہجری کے حج کے موقع پر بہت سے اعلانات کروائے۔ یہ اعلانات حج کے نظام کی تطہیر، دیگر قوموں کے ساتھ معاہدات، جاہلی رسومات پر پابندی اور دیگر دینی وانتظامی امور کے متعلق تھے۔ یہ اعلان بھی ہوا کہ اگلے سال حضورؐ حج کے لیے تشریف لائیں گے۔ چنانچہ ۹ ہجری کا سال آپؐ نے اگلے سال حج کے لیے ماحول کی صفائی میں صرف کیا۔ گویا یوں ہوا کہ رسول اللہؐ نے حج پر اپنے تشریف لے جانے سے پہلے حج کے پورے نظام کی تطہیر فرمائی اور حج کو اللہ اور مسلمانوں کے لیے خالص کر دیا۔ پھر حضورؐ نے ۱۰ ہجری کا حج ادا کیا جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔

بتوں کا خاتمہ

پہلی تبدیلی جناب نبی کریمؐ نے یہ فرمائی کہ فتح مکہ کے موقع پر بیت اللہ، حرم پاک اور مکہ مکرمہ کو بتوں سے صاف کر دیا۔ فتح مکہ سے پہلے یہ جگہیں بتوں کی آماجگاہ تھیں اور وہاں سینکڑوں بت نصب تھے۔ مسجد حرام میں بھی، بیت اللہ کے اندر بھی، اور حرم کے ماحول میں بھی۔ لوگ بیت اللہ کا طواف کرتے تھے، صفا ومروہ کی بھی کرتے تھے، اور بتوں کے سامنے حاضری بھی دیتے تھے۔ حج کے دنوں میں یہ عبادت اور شرک کے کام ساتھ ساتھ ہی ہوتے تھے۔ جناب نبی کریمؐ نے حج کے نظام میں پہلی تبدیلی یا اصلاح یہ فرمائی کہ فتح مکہ کے بعد بیت اللہ، مسجد حرام، حرم کی حدود، بلکہ پورے جزیرۃ العرب کو بتوں سے پاک کر دیا۔ یہ ایک بڑی تبدیلی تھی کہ بیت اللہ اور حرم کا ماحول بتوں سے پاک ہوا۔ اللہ کی عبادت کے ساتھ اور اللہ کے گھر کی حاضری کے ساتھ جو بتوں کی شرکت ہوتی تھی وہ ختم ہوگئی۔ اِس طرح حج خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگیا۔

جوا اور لاٹری کا خاتمہ

اسی طرح حرم کی حدود میں بت پرستی کے ساتھ ساتھ مذہبی حوالے سے جوا اور لاٹری کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ لوگ مختلف پہلوؤں سے وہاں بتوں کے ذریعے، بتوں کی موجودگی اور سائے میں لاٹری اور جوا کھیلتے تھے۔ اس کی مختلف شکلیں تاریخ اور احادیث میں مذکور ہیں۔ مثال کے طور پر بخاری شریف کی ایک روایت ہے کہ جناب نبی کریمؐ نے جب بیت اللہ کے بت توڑے تو اُن میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے بت بھی تھے۔ بت اس طریقے سے بنائے گئے تھے کہ ان کے ہاتھوں میں جوئے کے تیر پکڑائے گئے تھے۔

جناب نبی کریمؐ نے یہ دیکھ کر فرمایا **قاتلھم اللّٰہ** اللہ ان کا بیڑا غرق کرے کہ مشرکین نے ان بزرگوں کے ہاتھوں میں بھی تیر پکڑا دیے حالانکہ ان کو پتہ تھا کہ ان بزرگوں نے زندگی میں کبھی لاٹری یا جوا نہیں کھیلا۔ چنانچہ جس طرح حضورؐ نے وہاں سے بتوں کو صاف کیا اسی طرح یہ لاٹری، جوا اور اَزلام وغیرہ کا سلسلہ بھی حضورؐ نے وہاں سے ختم فرما دیا۔ یہ حج کے نظام میں دوسری بڑی اصلاح تھی جو رسول اللہؐ کے ہاتھوں سرانجام پائی۔

حج صرف مسلمانوں کے لیے

تیسرے نمبر پر جناب نبی کریمؐ نے حج کے نظام میں جو تبدیلی کی وہ یہ تھی کہ حج کو صرف مسلمانوں کے لیے مخصوص کر دیا۔ اس سے پہلے کسی مذہب یا قومیت کی قید نہیں تھی اور حج کے لیے کوئی بھی آ سکتا تھا۔ موحد و مؤمن، مشرک و بت پرست، کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو سب آتے تھے اور اپنے اپنے طریقے پر حج ادا کرتے تھے۔ لیکن جناب نبی کریمؐ نے قرآن مجید کے حوالے سے اعلان فرما دیا

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا (سورہ التوبہ: ۲۸)

اے ایمان والو! مشرک تو ناپاک ہیں، اس لیے اِس سال کے بعد مسجد حرام کے نزدیک نہ آنے پائیں۔

فتح مکہ سے پہلے سب حج کے لیے آتے تھے، حضورؐ نے اعلان فرما دیا کہ اب کے بعد کوئی غیر مسلم حج کے لیے نہیں آئے گا۔ حج مسلمانوں کے دینی فرائض میں سے ہے، مسلمانوں کی عبادت ہے، اس لیے یہ صرف مسلمانوں ہی کے لیے مخصوص ہے۔ یہ تیسری بڑی اصلاح تھی جو جناب نبی کریمؐ نے حج کے نظام میں فرمائی۔

ننگے طواف کی رسم کا خاتمہ

جناب رسالت مآبؐ نے چوتھی تبدیلی یہ فرمائی کہ ننگے طواف کی جاہلی رسم کا خاتمہ کر دیا۔ جاہلیت کے زمانے میں بہت سے قبائل کے لوگ حج کے لیے آتے تھے تو وہ ننگے طواف کرتے تھے۔ مرد تو بالکل ننگے ہوتے تھے، کوئی ایک دھاگہ بھی ان کے جسم پر نہیں ہوتا تھا جبکہ عورتوں نے پہلوانوں کی طرح کی ایک لنگوٹی سی باندھی ہوتی تھی۔ ان کا فلسفہ یہ تھا کہ جب ہم اللہ کی طرف سے دنیا میں آئے تھے تو ننگے آئے تھے، اس لیے ہم اللہ کے گھر بھی اسی حالت میں حاضری دیں گے۔ قریش والے حُمس کہلاتے تھے یعنی برتر لوگ جنہیں آج کی اصطلاح میں وی آئی پی کہہ لیں۔ یہ بڑے، برگزیدہ اور چُنے ہوئے لوگ سمجھے جاتے تھے۔ اس زمانے میں رواج یہ بن گیا تھا کہ حج کے لیے کسی آنے والے کو قریش والے اگر کوئی لباس دے دیتے تو وہ لباس تبرک سمجھ کر پہنا جاتا تھا۔ لیکن قریش والے اگر کسی مرد یا عورت کو لباس نہ دیتے تو وہ ننگے ہی طواف کرتے تھے۔ چنانچہ جناب نبی کریمؐ نے اس کی ممانعت فرما دی اور حج کا لباس متعین کر دیا کہ مرد دو چادروں میں آئیں گے جبکہ عورتیں مکمل لباس میں آئیں گی۔ کوئی مرد یا عورت ننگا طواف نہیں کر سکے گا۔

یہ ایک بڑی اصلاح حج کے نظام میں حضورؐ نے فرمائی۔

چنانچہ حج کے موقع پر ایک عجیب منظر ہوتا ہے کہ کوئی کسی ملک کا صدر ہو یا کلرک، مالک ہو یا نوکر، تاجر ہو یا مزدور، پیر ہو یا مرید سب کے جسموں پر دو چادریں ہوتی ہیں۔ کسی مرد کے لباس سے یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ شخص دنیا کے اعتبار سے کس سطح یا گریڈ کا آدمی ہے، سب برابر نظر آتے ہیں۔ تو نبی کریمؐ نے حج کے نظام میں یہ تبدیلی فرمائی کہ ننگے طواف کو ممنوع قرار دے دیا اور اعلان فرما دیا کہ آئندہ کوئی بھی ننگا مرد یا ننگی عورت طواف کے لیے نہیں آئیں گے۔

صفا و مروہ کی سعی کا لزوم

پانچویں اصلاح جو حج کے نظام میں ہوئی قرآن مجید نے اس کا اظہار کیا جبکہ حضورؐ نے پھر اس کا نفاذ کیا۔ جاہلیت کے زمانے میں حج کی ترتیب یہ ہوتی تھی کہ حج کا طواف تو سب لوگ کرتے تھے لیکن صفا و مروہ کی سعی سب لوگ نہیں کرتے تھے۔ صفا و مروی کی سعی صرف قبیلہ قریش اور ان کے حلیف چند قبائل کرتے تھے۔ بہت سے قبائل ایسے تھے جو صفا و مروہ کی سعی نہیں کرتے تھے۔ اس کا ذکر بھی حدیث میں آتا ہے کہ اس کی وجہ کیا تھی۔ اصل میں تو صفا و مروہ کی سعی حضرت ابراہیمؑ کی اہلیہ محترمہ حضرت ہاجرہؑ کی یاد میں ہے۔ یہ اس واقعہ کی یاد میں ہے جب وہ اپنے معصوم بچے اسماعیلؑ کے لیے پانی کی تلاش میں صفا و مروہ کے درمیان دوڑی تھیں۔ تو بعض حضرات کا یہ کہنا تھا کہ حضرت ہاجرہؑ قریش والوں کی ماں تھیں اس لیے بس وہ ہی ان کی یاد میں صفا و مروہ کے درمیان دوڑیں، باقیوں کو دوڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ جبکہ بعض یہ بھی کہتے تھے کہ یہ جاہلیت کی بات ہے۔ انس بن مالکؓ بھی ان لوگوں میں سے تھے جو اسے جاہلیت کی بات سمجھتے تھے۔ انصار مدینہ کے دو بڑے قبیلے اوس اور خزرج صفا و مروہ کی سعی کو جاہلیت کی بات سمجھتے تھے کہ یہ کیا بات ہوئی کہ ماں ایک دفعہ دوڑی تھی تو بس قیامت تک ان دو پہاڑیوں کے درمیان دوڑتے ہی رہو۔ تو یہ وجہ اس بات کا باعث تھی کہ قریش اور ان کے حلیف قبیلوں کے علاوہ لوگ صفا و مروہ کی سعی نہیں کرتے تھے۔ انس بن مالکؓ خود فرماتے ہیں کہ ہم صفا و مروہ کی سعی کو تاثم یعنی گناہ سمجھتے تھے۔

غیر قریش جو صفا و مروہ کی سعی نہیں کرتے تھے، وہ بیت اللہ کے طواف کے بعد اپنے اپنے بت خانوں میں حاضری دیتے تھے۔ لیکن جب جناب نبی کریمؐ نے فتح مکہ کے بعد سارے بت صاف کروا دیے تو غیر قریش کو یہ الجھن پیش آئی کہ وہ بیت اللہ کے طواف کے بعد کہاں جائیں۔ انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ہم پہلے بیت اللہ کے طواف کے بعد قدید کے مقام پر اپنے بت خانے منات میں حاضری دیا کرتے تھے اور ہماری وہی سعی ہوتی تھی۔ ہمیں یہ الجھن پیش آئی کہ اب ہم کیا کریں گے، قریش والے تو صفا و مروہ کی سعی کریں گے لیکن ہم تو سعی نہ کرنے والوں میں سے ہیں۔ تو انصار مدینہ نے جناب نبی کریمؐ کے سامنے یہ مشکل عرض کی۔

چنانچہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں اس کی وضاحت فرمادی کہ

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا (سورہ البقرہ: ۱۵۸)

بے شک صفا اور مروہ اللہ کے شعائر (نشانیوں) میں سے ہیں، جو آدمی بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے، تو کوئی حرج نہیں ہے کہ اِن (صفا و مروہ کی پہاڑیوں) کے درمیان بھی چکر لگا لے۔

پہلے تو یہ وضاحت فرمائی کہ حضرت ہاجرہؓ کا واقعہ تو اپنی جگہ ہے لیکن صفا و مروہ خود اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔ جس طرح بیت اللہ شعائر اللہ میں سے ہے اسی طرح صفا و مروہ بھی شعائر اللہ میں سے ہیں۔ تو جو لوگ صفا و مروہ کی سعی کرنے کو حرج کی بات سمجھتے تھے قرآن مجید نے پہلے تو ان کا ذہن صاف کیا، اس کے بعد کہا کہ جو حج اور عمرہ کرے اس کے لیے صفا و مروہ کی سعی کوئی حرج کی بات نہیں ہے بلکہ یہ حج و عمرہ کے ضروری مناسک میں سے ہے۔ جیسے بیت اللہ کا طواف شعائر اللہ کی تعظیم ہے ایسے ہی صفا و مروہ کی سعی بھی شعائر اللہ کی تعظیم ہے۔ اس طرح یہ صفا و مروہ کی سعی مستقلاً حج کے مناسک میں شامل ہوئی جو اس سے پہلے سب لوگوں کے لیے نہیں سمجھی جاتی تھی۔ حج کے نظام میں یہ ایک بڑی تبدیل آئی جناب نبی کریمؐ کی اصلاحات سے۔

وقوفِ عرفات سب کے لیے

حج کا سب سے بڑا رکن عرفات کا وقوف ہے۔ ۹ ذی الحج کی صبح منٰی سے چلنا اور مغرب تک عرفات میں رہنا، پھر وہاں سے مزدلفہ واپس آنا۔ اس وقوف میں خطبہ بھی ہے اور نمازیں بھی ہیں، لیکن اس میں اصلاً وہ وقوف ہے کہ عرفات کے میدان میں وقت گزارا جائے اور موقع و ذوق کے مطابق تلبیہ، ذکر اذکار اور عبادات وغیرہ کی جائیں۔ یعنی اس میں اصل بات وقوف کی ہے کہ ۹ ذی الحج کا بڑا حصہ عرفات کے میدان میں گزارا جائے۔ قبیلہ قریش کے لوگ عرفات میں نہیں جاتے تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ نَحْنُ حُمُسٌ کہ ہم خاص لوگ ہیں، وی آئی پی ہیں، اس لیے ہمارے لیے عرفات کا وقوف ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ وہ حرم کی حدود میں رہتے تھے۔ حرم کی حدود میں کچھ حصہ منٰی کا بھی ہے اور کچھ حصہ مزدلفہ کا بھی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ عرفات تک وہ لوگ جائیں جو باہر سے آئے ہیں اور جو غیر قریش ہیں۔ اس لیے باقی لوگ تو عرفات چلے جاتے تھے لیکن قریش والے حرم کی حدود میں رہتے تھے۔ یہ ان کا ایک امتیاز اور برتری سمجھی جاتی تھی۔ بخاری کی روایت ہے کہ جبیر ابن مطعمؓ جو طائف کے رہنے والے تھے، ان کے والد مطعمؓ ابن عدی وہی ہیں جنہوں نے حضورؐ پر طائف میں پتھراؤ کے بعد راستے میں آپؐ کو پناہ دی تھی۔ جبیر ابن مطعمؓ کہتے ہیں کہ میرے اونٹ گم ہو گئے تھے، میں اونٹوں کی تلاش میں عرفات تک آیا تو لوگ حج کر رہے تھے۔ وہاں عرفات کے میدان میں ایک خیمے کے متعلق مجھے معلوم ہوا کہ وہ خیمہ حضرت محمد رسول اللہ کا ہے۔

جبیرؓ کہتے ہیں کہ مجھے بڑا تعجب ہوا کہ وہ تو قبیلہ قریش میں سے ہیں اور ہاشمی ہیں، وہ یہاں کیا کر رہے ہیں! ان کا مقام تو حرم کی حدود کے اندر تھا اور انہوں نے تو عرفات میں نہیں آنا تھا۔

چنانچہ یہ قریش کے امتیاز کی جو رسم تھی قرآن مجید نے اس کو توڑا اور قریش کو حکم دیا کہ

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ الرَّحِيْم (سورہ البقرہ: ۱۹۹)

پھر تم بھی وہیں سے لوٹ کر (عرفات کا وقوف کر کے) واپس آؤ جہاں سے لوگ لوٹ کر آتے ہیں اور اللہ سے بخشش مانگو۔ بے شک اللہ معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ اللہ رب العزت نے اس حوالے سے اونچ نیچ اور برتری کا تصور اور وی آئی پی سسٹم ختم کر دیا۔ لباس کے معاملے میں بھی ختم کیا اور عرفات کی حاضری کے معاملے میں بھی ختم کیا۔ چنانچہ نبی کریمؐ جو قبیلہ قریش میں تھے اور ہاشمی تھی، آپؐ خود عرفات تشریف لے گئے اور سارے صحابہ کرامؓ نے عرفات میں وقوف کر کے حج ادا کیا۔ اس طرح یہ بھی حج کے نظام میں ایک بڑی تبدیلی تھی۔

حالت احرام میں اپنے گھروں میں جانا

حضورؐ نے قرآن مجید کے حوالے سے حج کے نظام میں ایک تبدیلی مزید کی۔ ہوتا یوں تھا کہ جاہلیت کے زمانے میں مکہ اور اس کے گرد و نواح کے لوگ اپنے گھروں سے احرام باندھ کر آتے تھے تو وہ حج کے ختم ہونے تک اپنے گھروں میں واپس جانا معیوب سمجھتے تھے۔ لیکن انہیں اگر کسی مجبوری کے تحت اپنے گھروں کو جانا پڑ جاتا تو اس کے لیے انہوں نے ایک حل نکال رکھا تھا۔ وہ گھر کے مرکزی دروازے کے بجائے گھر کے پیچھے سے دیوار پھلانگ کر یا نقب لگا کر کسی طریقے سے گھر میں داخل ہوتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم گھر کے جس دروازے سے احرام باندھ کر نکلے ہیں جب تک حج پورا نہیں ہو جاتا ہم اس دروازے سے گھر میں داخل نہیں ہوں گے۔ قرآن مجید نے اس سے بھی منع فرما دیا

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ أَبْوَابِهَا، وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (سورہ البقرہ: ۱۸۹)

اور نیکی یہ نہیں ہے کہ تم گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آؤ، اور لیکن نیکی یہ ہے کہ جو کوئی اللہ سے ڈرے، اور تم گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ گھروں میں دروازوں سے داخل ہو، یہ دروازے اسی لیے ہیں۔ کوئی حرج کی بات نہیں ہے اور اس سے احرام یا حج پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر ضرورت پڑے تو اپنے گھروں میں جا سکتے ہو لیکن سیدھے دروازے سے داخل ہو کر۔

احرام کے لیے میقات کا تعین

حضورؐ نے مکہ مکرمہ میں حاضری کے لیے جب احرام کی پابندی لگائی کہ حج یا عمرہ کے لیے احرام باندھ کر آؤ تو حرم کے چاروں طرف سے میقات کی حدود کا تعین کر دیا۔ یہ حدود جاہلیت کے زمانے میں نہیں تھیں۔ مدینہ والوں کے لیے ذوالحلیفہ، عراق والوں کے لیے ذات العرق، اہل نجد والوں کے لیے قرن، شام کی طرف سے آنے والوں کے لیے جحفہ، اور یمن وغیرہ کے علاقوں کی طرف سے یلملم۔ حضورؐ نے حج وعمرہ کے لیے احرام باندھ کر آنے کو لازم قرار دیا اور اس کے ساتھ یہ حدود متعین کیں کہ حرم کے اردگرد اِن جگہوں سے آگے تم احرام کے بغیر نہیں آسکتے۔ یہ حضورؐ نے میقات مقرر فرمائے اور اس کے ساتھ احرام کی پابندیاں اور احرام کے مسائل و احکام متعین کیے کہ خوشبو کا استعمال نہیں ہوگا، میاں بیوی کا باہمی تعلق نہیں ہوگا وغیرہ۔ ان کے علاوہ دیگر پابندیاں بھی عائد کیں جو حج و عمرہ کی کتابوں میں تفصیل سے مذکور ہیں۔ چنانچہ حضورؐ نے حج کے نظام میں یہ ایک بڑی تبدیلی کی جس سے حج ایک ڈسپلن اور سسٹم کے تحت چلنے لگا۔

عرفات، مِنٰی ومزدلفہ کے اوقات کا تعین

جاہلیت کے زمانے کے حج میں یوں ہوتا تھا کہ لوگ عرفات سے دن کی روشنی میں ہی مزدلفہ کے لیے چل پڑتے تھے، جبکہ مزدلفہ سے صبح سورج نکلنے کے کافی عرصہ بعد منٰی جاتے تھے۔ حضورؐ نے اس سے منع فرمایا اور یہ متعین کیا کہ عرفات سے مزدلفہ کے لیے غروب آفتاب کے بعد نکلو اور دو نمازیں مزدلفہ میں اکٹھی پڑھو۔ اور پھر مزدلفہ سے منٰی جانے کے لیے طلوع آفتاب سے پہلے نکلو۔ حضورؐ نے اس پرانے طریقے سے منع فرما دیا کہ جس کے مطابق لوگ سورج غروب ہونے سے پہلے عرفات سے نکلتے تھے اور سورج طلوع ہونے کے بعد مزدلفہ سے نکلتے تھے۔ چنانچہ یہ اصلاح اور تبدیلی بھی حضورؐ نے فرمائی۔

خرید وفروخت کی اجازت

ایک تبدیلی قرآن مجید نے مزید ذکر کی جو کہ دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سہولت ہے

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلاً مِّن رَّبِّكُمْ (سورہ البقرہ:۱۹۸)

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ (حج کے دِنوں میں) اپنے رب کا فضل (معاش) تلاش کرو۔ جاہلیت کے دور میں قبائل میں یہ بات عام تھی کہ لوگ جب حج کے لیے آتے تھے تو حج کے دوران کوئی خرید وفروخت اور بیع وتجارت وغیرہ نہیں کرتے تھے۔ حج کے ایام میں اور حج کے دوران یہ بیع شراء کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن حج سے فارغ ہو کر پھر بڑے بڑے میلے لگتے تھے، عکاظ کا میلہ لگتا تھا، ذوالمجنہ کا میلہ لگتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ کوئی حرج کی بات نہیں ہے، تجارت کو مقصد بنا کر مت جاؤ لیکن اگر کسی چیز کی خرید یا فروخت کی ضرورت پڑ جاتی ہے تو حج کے دوران اللہ کا فضل تلاش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حج کے نظام کے متعلق یہ چند اصلاحات جو میرے مطالعہ میں آئیں وہ میں نے آپ حضرات کے سامنے قرآن وحدیث کے حوالے سے ذکر کی ہیں۔

حج کے حوالے سے ایک اور بات میں یہاں عرض کرنا چاہوں گا کہ حج کے شرعی تقاضوں کے علاوہ ایک اور تقاضہ بھی ہے، اور وہ ہے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر حاضری۔ اگرچہ یہ حج کے مناسک کا حصہ نہیں ہے، لیکن بہرحال یہ حج کے سفر کے تقاضوں میں سے ہے۔ حضورؐ کی ایک روایت کا مفہوم بھی یہ ہے کہ جو بیت اللہ کے لیے آئے وہ مجھ سے ملنے کے لیے بھی آئے۔ ایک مسلمان کے لیے یہ بات ویسے بھی قابل تصور نہیں ہے کہ وہ بیت اللہ میں تو جائے لیکن مسجد نبوی میں حاضری دیے بغیر اپنے ملک، اپنے گھر واپس آجائے۔

آج کے دور میں جو حج ہوتا ہے اس میں حاجی حضرات یہ دو تصور لے کر جاتے ہیں کہ بیت اللہ کا طواف کریں گے اور روضۂ رسول پر حاضری دیں گے۔ چنانچہ مسلمان دنیا بھر سے حج وعمرہ کے لیے جاتے ہیں اور وہ حج سے پہلے یا بعد میں مسجد نبوی میں حاضری دیتے ہیں، وہاں نمازیں پڑھتے ہیں، روضۂ اطہر کے سامنے صلوٰۃ وسلام کہتے ہیں، جو کہ بڑے ثواب واجر کی بات ہے۔

کچھ لوگ تو روضۂ رسول پر حاضری کو باقاعدہ حج کا منسک ہی سمجھتے ہیں، جو کہ شرعی منسک تو نہیں ہے لیکن بہرحال آداب کے تقاضوں میں سے ہے۔ یہ بڑی خوش نصیبی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنے گھر اور حضورؐ کے روضۂ اطہر کی حاضری کی سعادت دیں۔

ہماری دعا ہے کہ جو حضرات حج کے لیے حرمین شریفین پہنچے ہوئے ہیں یا پہنچنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی حاضری اور حج قبول فرمائیں، اور ہمیں بلکہ سب مسلمانوں کو بار بار حاضری کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

☆☆☆☆

مسائل و احکامِ قربانی

مفتی محمد ولی حسن ٹونکیؒ صاحب

عشرۂ ذی الحجہ کے فضائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے عشرۂ ذی الحجہ سے بہتر کوئی زمانہ نہیں، ان میں ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر اور ایک رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔'' (ترمذی، ابن ماجہ)

قرآن مجید میں سورۂ ''والفجر'' میں اللہ تعالیٰ نے دس راتوں کی قسم کھائی ہے اور وہ دس راتیں جمہور کے قول کے مطابق یہی عشرۂ ذی الحجہ کی راتیں ہیں۔ خصوصاً نویں ذی الحجہ کا روزہ رکھنا ایک سال گزشتہ اور ایک سال آئندہ کے گناہوں کا کفارہ ہے اور عید کی رات میں بیدار رہ کر عبادت میں مشغول رہنا بڑی فضیلت اور ثواب کا موجب ہے۔

تکبیر تشریق ''**أَللّٰہ أکبر أَللّٰہ أکبر لا إلٰہ إلا اللّٰہ واللّٰہ أکبر أَللّٰہ أکبر وللّٰہ الحمد**''۔ نویں تاریخ کی صبح سے تیرہویں تاریخ کی عصر تک ہر نماز کے بعد بآوازِ بلند ایک مرتبہ مذکورہ تکبیر کہنا واجب ہے۔ فتویٰ اس پر ہے کہ باجماعت اور تنہا نماز پڑھنے والے اس میں برابر ہیں، اس طرح مرد وعورت دونوں پر واجب ہے، البتہ عورت بآوازِ بلند تکبیر نہ کہے، آہستہ سے کہے۔ (شامی)

عیدالاضحیٰ کے دن مذکورہ ذیل امور مسنون ہیں: صبح سویرے اُٹھنا، غسل ومسواک کرنا، پاک وصاف عمدہ کپڑے جو اپنے پاس ہوں پہننا، خوشبو لگانا، نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا، عیدگاہ کو جاتے ہوئے راستہ میں بآوازِ بلند تکبیر کہنا۔ نمازِ عید نماز عید دو رکعت ہیں۔ نماز عید اور دیگر نمازوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں ہر رکعت کے اندر تین تین تکبیریں زائد ہیں۔ پہلی رکعت میں ''سبحانک اللّٰھم'' پڑھنے کے بعد قراءت سے پہلے اور دوسری رکعت میں قراءت کے بعد رکوع سے پہلے۔ ان زائد تکبیروں میں کانوں تک ہاتھ اٹھانے ہیں۔ پہلی رکعت میں دو تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیں، تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لیں۔ دوسری رکعت میں تینوں تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں، چوتھی تکبیر کے ساتھ رکوع میں چلے جائیں۔ اگر دورانِ نماز امام یا کوئی مقتدی عید کی زائد تکبیریں یا ترتیب بھول جائے تو ازدہام کی وجہ سے نماز درست ہوگی، سجدۂ سہو بھی ضروری نہیں۔

اگر کوئی نماز میں تاخیر سے پہنچا اور ایک رکعت نکل گئی تو فوت شدہ رکعت کو پہلی رکعت کی ترتیب کے مطابق قضاء کرے گا، یعنی ثناء ''**سبحانک اللّٰھم**'' کے بعد تین زائد تکبیریں کہے گا اور آگے ترتیب کے مطابق رکعت پوری کرے گا۔ نمازِ عید کے بعد خطبہ سننا مسنون ہے۔ خطبہ سننے کا اہتمام کرنا چاہیے، خطبہ سے پہلے اٹھنا درست نہیں ہے۔

فضائل قربانی

قربانی کرنا واجب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے بعد ہر سال قربانی فرمائی، کسی سال ترک نہیں فرمائی۔ جس عمل کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لگاتار کیا اور کسی سال بھی نہ چھوڑا ہو تو یہ اُس عمل کے واجب ہونے کی دلیل ہے۔ علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی نہ کرنے والوں پر وعید ارشاد فرمائی۔ حدیث پاک میں بہت سی وعیدیں ملتی ہیں، مثلاً: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد کہ جو قربانی نہ کرے، وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔ علاوہ ازیں خود قرآن میں بعض آیات سے بھی قربانی کا وجوب ثابت ہے۔ جو لوگ حدیث پاک کے مخالف ہیں اور اس کو حجت نہیں مانتے، وہ قربانی کا انکار کرتے ہیں، ان سے جو لوگ متأثر ہوتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ پیسے دے دیئے جائیں یا یتیم خانہ میں رقم دے دی جائے، یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ عمل کی ایک تو صورت ہوتی ہے، دوسری حقیقت ہے، قربانی کی صورت یہی ضروری ہے، اس کی بڑی مصلحتیں ہیں، اس کی حقیقت اخلاص ہے۔ آیت قرآنی سے بھی یہی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔

قربانی کی بڑی فضیلتیں ہیں مسند احمد کی روایت میں ایک حدیث پاک ہے، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قربانی تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: ہمارے لیے اس میں کیا ثواب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کے ایک ایک بال کے عوض ایک نیکی ہے۔ اون کے متعلق فرمایا: اس کے ایک ایک بال کے عوض بھی ایک نیکی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قربانی کے دن اس سے زیادہ کوئی عمل محبوب نہیں، قیامت کے دن قربانی کا جانور سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ لایا جائے گا اور خون کے زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں قبولیت کی سند لے لیتا ہے، اس لیے تم قربانی خوش دلی سے کرو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: قربانی سے زیادہ کوئی دوسرا عمل نہیں، الا یہ کہ رشتہ داری کا پاس کیا جائے۔ (طبرانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا کہ: تم اپنی قربانی ذبح ہوتے وقت موجود رہو، کیونکہ پہلا قطرہ خون گرنے سے پہلے انسان کی مغفرت ہو جاتی ہے۔

قربانی کی فضیلت کے بارے میں متعدد احادیث ہیں، اس لیے اہل اسلام سے درخواست ہے کہ اس عبادت کو ہرگز ترک نہ کریں جو اسلام کے شعائر میں سے ہے۔

اوراس سلسلہ میں جن شرائط وآداب کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے، اُنہیں اپنے سامنے رکھیں اور قربانی کا جانور خوب دیکھ بھال کر خریدیں۔ قربانی سے متعلق مسائل آئندہ سطور میں درج کیے جا رہے ہیں:

مسائل قربانی

مسئلہ نمبر:۱۔ جس شخص پر صدقۂ فطر واجب ہے، اُس پر قربانی بھی واجب ہے۔ یعنی قربانی کے تین ایام (۱۰، ۱۱، ۱۲/ذو الحجہ) کے دوران اپنی ضرورت سے زائد اتنا مال یا اشیا جمع ہوجائیں کہ جن کی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہوتو اس پر قربانی لازم ہے، مثلاً: رہائشی مکان کے علاوہ کوئی مکان ہو، خواہ تجارت کے لیے ہو یا نہ ہو، اسی طرح ضروری سواری کے طور پر استعمال ہونے والی گاڑی کے علاوہ گاڑی ہوتو ایسے شخص پر بھی قربانی لازم ہے۔

مسئلہ نمبر:۲۔ مسافر پر قربانی واجب نہیں۔

مسئلہ نمبر:۳۔ قربانی کا وقت دسویں تاریخ سے لے کر بارہویں تاریخ کی شام تک ہے، بارہویں تاریخ کا سورج غروب ہوجانے کے بعد درست نہیں۔ قربانی کا جانور دن کو ذبح کرنا افضل ہے، اگر چہ رات کو بھی ذبح کر سکتے ہیں، لیکن افضل بقرہ عید کا دن، پھر گیارہویں اور پھر بارہویں تاریخ ہے۔

مسئلہ نمبر:۴۔ شہر اور قصبوں میں رہنے والوں کے لیے عید الاضحیٰ کی نماز پڑھ لینے سے قبل قربانی کا جانور ذبح کرنا درست نہیں ہے۔ دیہات اور گاؤں والے صبح صادق کے بعد فجر کی نماز سے پہلے بھی قربانی کا جانور ذبح کر سکتے ہیں۔ اگر شہری اپنا جانور قربانی کے لیے دیہات میں بھیج دے تو وہاں اس کی قربانی بھی نمازِ عید سے قبل درست ہے اور ذبح کرانے کے بعد اس کا گوشت منگوا سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر:۵۔ اگر مسافر مالدار ہو اور کسی جگہ پندرہ دن قیام کی نیت کرے، یا بارہویں تاریخ کو سورج غروب ہونے سے پہلے گھر پہنچ جائے، یا کسی نادار آدمی کے پاس بارہویں تاریخ کو غروبِ شمس سے پہلے اتنا مال آجائے کہ صاحب نصاب ہوجائے تو ان تمام صورتوں میں اس پر قربانی واجب ہوجاتی ہے۔

نیز اگر مسافر مالدار ہو، دورانِ سفر قربانی کے لیے رقم بھی ہو اور وہ پندرہ دن سے کم عرصہ کے لیے رہائش پذیر ہونے کے باوجود بآسانی قربانی کر سکتا ہو تو قربانی کر لینا بہتر ہے۔

مسئلہ نمبر:۶۔ قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا زیادہ اچھا ہے، اگر خود ذبح نہ کر سکتا ہو تو کسی اور سے بھی ذبح کرا سکتا ہے۔ بعض لوگ قصاب سے ذبح کراتے وقت ابتداءً خود بھی چھری پر ہاتھ رکھ لیا کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ قصاب اور قربانی والے دونوں مستقل طور پر تکبیر پڑھیں، اگر دونوں میں سے ایک نے نہ پڑھی تو قربانی صحیح نہ ہوگی۔ (شامی، ج:۶، ص:۳۳۳)

مسئلہ نمبر:۷۔قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت زبان سے نیت پڑھنا ضروری نہیں، دل میں بھی پڑھ سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر:۸۔قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت اس کو قبلہ رخ لٹائے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے:

”إِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِیْفاً وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ، إِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، لَاشَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ، أَللّٰهُمَّ مِنْکَ وَلَکَ“۔اس کے بعد ”بسم اللّٰہ أللّٰہ أکبر“ کہہ کر ذبح کرے۔(کذا فی سنن ابی داؤد) ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے:

”أللّٰهم تقبّله منّی کما تقبّلت من حبیبک محمد و خلیلک إبراهیم علیهما الصلوٰۃ والسلام“۔

مسئلہ نمبر:۹۔قربانی صرف اپنی طرف سے کرنا واجب ہے، اولاد کی طرف سے نہیں، اولاد چاہے بالغ ہو یا نابالغ، مالدار ہو یا غیر مالدار۔

مسئلہ نمبر:۱۰۔درج ذیل جانوروں کی قربانی ہو سکتی ہے: اونٹ، اونٹنی، بکرا، بکری، بھیڑ، دُنبہ، گائے، بیل، بھینس، بھینسا۔بکرا، بکری، بھیڑ اور دُنبہ کے علاوہ باقی جانوروں میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ کسی شریک کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو اور سب قربانی کی نیت سے شریک ہوں یا عقیقہ کی نیت سے، صرف گوشت کی نیت سے شریک نہ ہوں۔☆......گائے، بھینس اور اُونٹ وغیرہ میں سات سے کم افراد بھی شریک ہو سکتے ہیں، اس طور پر کہ مثلاً چار آدمی ہوں تو تین افراد کے دو دو حصے اور ایک کا ایک حصہ ہو جائے۔نیز اگر پورے جانور کو چار حصوں میں تقسیم کر لیں، یہ بھی درست ہے۔یا یہ کہ دو آدمی موجود ہوں تو نصف نصف بھی تقسیم کر سکتے ہیں۔

☆ اسی طرح اگر کئی افراد مل کر ایک حصہ ایصالِ ثواب کے طور پر کرنا چاہیں تو یہ بھی جائز ہے، البتہ ضروری ہے کہ سارے شرکا اپنی اپنی رقم جمع کر کے ایک شریک کو ہبہ کر دیں اور وہ اپنی طرف سے قربانی کر دے، اس طرح قربانی کا حصہ ایک کی طرف سے ہو جائے گا اور ثواب سب کو ملے گا۔

مسئلہ نمبر:۱۱۔اگر قربانی کا جانور اس نیت سے خریدا کہ بعد میں کوئی مل گیا تو شریک کر لوں گا اور بعد میں کسی اور کو قربانی یا عقیقہ کی نیت سے شریک کیا تو قربانی درست ہے اور اگر خریدتے وقت کسی اور کو شریک کرنے کی نیت نہ تھی، بلکہ پورا جانور اپنی طرف سے قربانی کرنے کی نیت سے خریدا تھا تو اب اگر شریک کرنے والا غریب ہے تو کسی اور کو شریک نہیں کر سکتا اور اگر مالدار ہے تو شریک کر سکتا ہے، البتہ بہتر نہیں۔

☆ایک جانور قربانی کرنے کے لیے خریدا، اگر اس کے بدلے دوسرا حیوان دینا چاہے تو جائز ہے، مگر یہ لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ دوسرا حیوان کم از کم اسی قیمت کا ہو، اگر اس سے کم قیمت کا ہو تو زائد رقم اپنے پاس رکھنا جائز نہیں، بلکہ صدقہ کرنا ضروری ہے۔ ہاں! اگر زبانی طور پر جانور کو متعین نہ کیا ہو، بلکہ یہ ارادہ کیا ہو کہ اگر اچھی قیمت میں فروخت ہو رہا ہو تو فروخت کر دیں گے۔ اس صورت میں اصل قیمت سے زائد رقم اپنے پاس رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ نمبر: ۱۲۔ قربانی کا جانور گم ہوا، اس کے بعد دوسرا خریدا، اگر قربانی کرنے والا امیر ہے تو ان دونوں جانوروں میں سے جس کو چاہے ذبح کرے، جب کہ غریب پر ان دونوں جانوروں کی قربانی واجب ہوگی۔ وضاحت: اگر کسی آدمی نے قربانی کے لیے جانور خریدا اور خریدنے کے بعد وہ جانور قربانی کرنے سے پہلے گم ہو جائے تو صاحب حیثیت آدمی پر قربانی کے لیے دوسرا جانور خریدنا ضروری ہے، کیونکہ اس پر قربانی شرعاً واجب تھی اور واجب ادا نہیں ہوا، جبکہ فقیر آدمی پر دوسرا جانور خریدنا اور قربانی کرنا لازم نہیں تھا، اس کے باوجود غریب نے دوسرا جانور بھی خرید لیا، اب اگر مالدار اور غریب ہر دو کا پہلا گم شدہ جانور مل جائے تو امیر پر صرف شرعی واجب (قربانی) کا ادا کرنا لازم ہے، جس جانور کو ذبح کر دے کافی ہے، جب کہ غریب پر خود سے واجب کردہ جانوروں کی قربانی کرنا لازم ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ امیر آدمی پر نصاب کی وجہ سے قربانی واجب تھی، اس نے وہ ادا کر دی، اس کے حق میں جانور متعین نہیں ہوا تھا، اُسے اختیار ہے کہ جس جانور کو چاہے ذبح کر دے، جبکہ غریب آدمی پر قربانی لازم نہیں تھی، غریب نے ازخود جانور خرید کر اپنے پر قربانی کو لازم کر لیا اور جو جانور اس نے خریدا وہ بھی متعین ہو گیا، اب پہلا جانور جو غریب کے حق میں قربانی کے نام سے متعین ہو چکا، اگر وہ گم ہو جائے تو اس کے بدلے دوسری قربانی لازم نہ تھی، اس کے باوجود غریب نے دوسرا جانور خرید کر اپنے پر قربانی لازم کر لی، اس بنا پر فقیر آدمی پر دوسری قربانی بھی لازم ہوئی۔ لہٰذا غریب آدمی دونوں جانوروں کی قربانی کرے گا۔ بخلاف مالدار کے کہ اس پر صرف قربانی لازم ہے، جانور متعین نہیں ہے، دونوں جانوروں میں سے کسی ایک کی قربانی کر دے تو کافی ہے۔

مسئلہ نمبر: ۱۳۔ قربانی کے جانور میں اگر کئی شرکاء ہیں تو گوشت وزن کر کے تقسیم کریں۔

مسئلہ نمبر: ۱۴۔ بھیڑ، بکری جب ایک سال کی ہو جائے، گائے، بھینس دو سال کی اور اونٹ پانچ سال کا تو اس کی قربانی جائز ہے، اگر اس سے کم ہے تو جائز نہیں۔ ہاں! دنبہ اور بھیڑ (نہ کہ بکرا) اگر اتنا موٹا تازہ ہو کہ سال بھر کا معلوم ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔ موجودہ دور میں جانوروں کو تول کر (وزن کر کے) خرید و فروخت کرنا بھی جائز ہے، ایسی قربانی بلاشبہ درست ہے۔

مسئلہ نمبر: ۱۵۔ قربانی کا جانور اگر اندھا ہو، یا ایک آنکھ کی ایک تہائی یا اس سے زائد روشنی جاتی رہی ہو، یا ایک کان ایک تہائی یا اس سے زیادہ کٹ گیا ہو، یا دُم ایک تہائی یا اس سے زیادہ کٹ گئی ہو تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔

گائے اور بھینس کے دو تھن یا بکری کا ایک تھن خشک ہو چکا ہو یا پیدائشی طور پر نہ ہوں تو ایسے جانور کی قربانی بھی درست نہیں۔

مسئلہ نمبر:۱۶۔اسی طرح اگر جانور ایک پاؤں سے لنگڑا ہے، یعنی تین پاؤں سے چلتا ہے، چوتھے پاؤں کا سہارا نہیں لیتا تو ایسے جانور کی قربانی بھی جائز نہیں۔ہاں! اگر وہ چوتھے پاؤں سے سہارا لیتا ہے، لیکن لنگڑا کے چلتا ہے تو ایسے جانور کی قربانی درست ہے۔

مسئلہ نمبر:۱۷۔قربانی کا جانور خوب موٹا تازہ ہونا چاہیے، اگر جانور اس قدر کمزور ہو کہ ہڈیوں میں گودا بالکل نہ رہا ہو، تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔بعض لوگ موٹا تازہ جانور محض دکھلاوے یا ریا و نمود کے لیے خریدتے ہیں، ایسے لوگ قربانی کے ثواب سے محروم ہوتے ہیں، ان پر لازم ہے کہ وہ موٹا تازہ جانور تلاش کرتے ہوئے محض ثواب کی نیت کریں۔

مسئلہ نمبر:۱۸۔اگر کسی جانور کے تمام دانت گر گئے ہوں تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے اور اگر اکثر دانت باقی ہوں، کچھ گر گئے ہوں تو قربانی جائز ہے۔اگر کسی جانور کی عمر پوری ہو اور دانت نہ نکلے ہوں تو بھی قربانی ہو سکتی ہے، تاہم اس سلسلہ میں صرف جانوروں کے عام سوداگروں کی بات معتبر نہیں ہے، بلکہ یقین سے معلوم ہونا ضروری ہے یا یہ کہ خود گھر میں پالا ہوا جانور ہو تو اس کی قربانی کی جا سکتی ہے۔

مسئلہ نمبر:۱۹۔جس جانور کے پیدائشی کان ہی نہ ہوں، اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر:۲۰۔اگر کسی جانور کے سینگ بالکل جڑ سے ٹوٹ چکے ہوں، اس طور پر کہ دماغ اس سے متاثر ہوا ہو تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں اور اگر معمولی ٹوٹے ہوں یا سرے سے سینگ ہی نہ ہوں، جیسے: اونٹ تو بلا کراہت جائز ہے۔اسی طرح گائے، بکری وغیرہ کے اگر پیدائشی سینگ نہ ہوں تو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔

مسئلہ نمبر:۲۱۔خارش زدہ جانور کی قربانی جائز ہے، البتہ اگر خارش کی وجہ سے بے حد کمزور ہو گیا ہو تو پھر جائز نہیں۔

مسئلہ نمبر:۲۲۔اگر قربانی کے جانور میں کوئی عیب پیدا ہوا جس کے ہوتے ہوئے قربانی درست نہ ہو تو مالدار شخص کے لیے یہ ضروری ہے کہ دوسرا جانور اس کے بدلے خرید کر قربانی کرے، غریب ہے تو اسی جانور کی قربانی کر سکتا ہے۔اگر قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کے لیے گراتے ہوئے کوئی عیب پیدا ہو جائے، مثلاً: ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ جائے یا سینگ وغیرہ ٹوٹ جائے تو اس سے قربانی پر اثر نہیں پڑے گا، البتہ جانور کو گراتے وقت احتیاط کرنا چاہیے۔

مسئلہ نمبر:۲۳۔قربانی کے گوشت میں بہتر یہ ہے کہ تین حصے کرے، ایک حصہ اپنے لیے رکھے، ایک حصہ اپنے رشتہ داروں کو دے اور ایک حصہ فقراء و مساکین کو دے، لیکن اگر سارے کا سارا اپنے لیے رکھے تب بھی جائز ہے۔

مسئلہ نمبر: ۲۴۔قربانی کی کھال کسی کو خیرات کے طور پر دے یا فروخت کر کے اس کی قیمت فقراء کو دے، البتہ اگر کسی دینی تعلیم کے مدرسہ اور جامعہ کو دے دے تو سب سے بہتر ہے، کیونکہ علم دین کا احیاء سب سے بہتر ہے۔

مسئلہ نمبر: ۲۵۔قربانی کی کھال کو اپنے مصرف میں بھی لایا جاسکتا ہے، اس طور پر کہ اس کا عین باقی رہے، مثلاً: مصلیٰ بنائے یا رسی یا چھلنی بنائے تو درست ہے۔

مسئلہ نمبر:۲۶۔قربانی کی کھال کی قیمت مسجد کی مرمت یا امام ومؤذن یا مدرس یا خادم کی تنخواہ میں نہیں دی جاسکتی، نہ اس سے مدارس کی تعمیر ہوسکتی ہے اور نہ شفاخانوں یا دیگر رفاہی اداروں کی۔

مسئلہ نمبر: ۲۷۔قربانی کی کھال قصائی کو اجرت میں دینا جائز نہیں۔☆......اگر کسی کی قربانی کی کھال چوری ہوگئی یا چھن گئی تو اُسے چاہیے کہ وہ کھال کی رقم صدقہ کردے، اگر استطاعت نہ ہو تو کوئی حرج نہیں، قربانی پر فرق نہیں پڑے گا۔

مسئلہ نمبر: ۲۸۔اگر قربانی کے تین دن گزر گئے اور قربانی نہیں کی تو اب ایک بکری یا بھیڑ کی قیمت خیرات کردے، اور اگر جانور خریدا تھا، مگر قربانی نہیں کی تو بعینہ وہی جانور خیرات کردے۔

مسئلہ نمبر:۲۹۔ایصال ثواب کے لیے قربانی کا گوشت خود بھی کھاسکتا ہے اور دوسروں کو بھی کھلاسکتا ہے۔

مسئلہ نمبر: ۳۰۔اگر کسی شخص کے حکم کے بغیر اس کی طرف سے قربانی کی تو قربانی نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو اس کے حکم واجازت کے بغیر قربانی میں شریک کیا تو کسی کی بھی قربانی نہیں ہوگی، اسی طرح اگر حصہ داروں میں سے کوئی ایک صرف گوشت کی نیت سے شریک ہے تو کسی کی قربانی صحیح نہ ہوگی۔

مسئلہ نمبر:۳۱۔قربانی کا گوشت غیر مسلم کو بھی دے سکتا ہے، البتہ کسی کو اجرت میں نہیں دے سکتا۔

مسئلہ نمبر: ۳۲۔گابھن جانور کی قربانی صحیح ہے، اگر بچہ زندہ نکلے تو اس کو بھی ذبح کردے۔ اور گوشت آپس میں تقسیم کرنے کی بجائے صدقہ کردیا جائے۔

☆ قربانی کے جانور کے بال کاٹنا یا دودھ دوھنا درست نہیں ہے، اگر کسی نے ایسا کیا تو اُسے صدقہ کرے، اگر بیچ دیا تو اس کی رقم کو صدقہ کرنا واجب ہے۔(بدائع، ج:۵،ص:۷۸)

مسئلہ نمبر: ۳۳۔جو شخص قربانی کرنا چاہے اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ یکم ذوالحجہ سے قربانی کا جانور ذبح ہونے تک نہ اپنے جسم کے بال کاٹے اور نہ ناخن۔(ابوداؤد) البتہ اگر زیر ناف اور بغل کے بالوں پر چالیس روز کا عرصہ گزر چکا ہو تو ان بالوں کی صفائی کرنا بہتر ہے۔

مسئلہ نمبر: ۳۴۔ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ تک بھی رکھ سکتا ہے۔(ابوداؤد)

مسئلہ نمبر: ۳۵۔ جانور ذبح کرنے کے لیے چھری خوب تیز ہونی چاہیے، تاکہ جانور کو تکلیف نہ ہو۔(ابوداؤد)

مسئلہ نمبر: ۳۶۔ اگر کوئی شخص اپنی قربانی کا گوشت سارا کا سارا کسی اور کو کھلا دے، خود کچھ بھی نہ کھائے تو ایسا کر سکتا ہے۔(کتاب الآثار)

مسئلہ نمبر: ۳۷۔ خصی جانور کی قربانی جائز، بلکہ افضل ہے، کیونکہ اس میں دوسرے کی بہ نسبت گوشت زیادہ ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر: ۳۸۔ ذبح کرتے وقت تکبیر کے علاوہ کچھ اور نہیں کہنا چاہیے، مثلاً: **"باسم اللّٰہ تقبل من فلان"**۔(کتاب الآثار)

مسئلہ نمبر: ۳۹۔ اگر کسی نے قربانی کی نذر مانی اور وہ کام ہو جائے تو قربانی واجب ہے، اس کے گوشت سے خود نہیں کھا سکتا، سارا فقراء اور مساکین کو کھلا دے۔

مسئلہ نمبر: ۴۰۔ اگر کسی شخص کی ساری یا اکثر آمدنی حرام کی ہو تو اس کو اپنے ساتھ قربانی میں شریک نہیں کرنا چاہیے۔ اگر شریک کیا تو کسی کی قربانی نہیں ہوگی۔ ایسا شخص جس کی ساری کمائی حرام کی ہو، اس پر قربانی لازم نہیں، کیونکہ اس کا سارا مال واجب التصدق (بلانیتِ ثواب صدقہ کرنا ضروری) ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ حرام مال سے کسی کا صدقہ قبول نہیں فرماتے، بلکہ وہاں صرف پاکیزہ مال سے کیا ہوا صدقہ وخیرات قبول ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر: ۴۱۔ بکری کے علاوہ دوسرے کسی جانور میں تمام شرکاء اپنا اپنا حصہ تقسیم کئے بغیر فقراء کو دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔

☆ البتہ اگر نذر کی قربانی ہو یا مرحوم کی وصیت کے تحت قربانی کر رہے ہیں تو پھر تقسیم سے پہلے کسی فقیر کو دینا درست نہیں۔

مسئلہ نمبر: ۴۲۔ کسی نے مرتے وقت وصیت کی کہ میرے مال سے قربانی کی جائے تو اس قربانی کا سارا گوشت خیرات کرنا ضروری ہے، خود کچھ بھی نہ کھائے۔

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو قربانی کی روح اور حقیقت سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری یہ ظاہری قربانی حقیقی قربانی کے لیے پیش خیمہ ہو اور ہم اس ظاہری و مادی قربانی کی طرح اللہ کے حکم پر اپنی جان کی قربانی کے لیے بھی ہمیشہ تیار رہیں۔

واللہ الموفق والمعین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین

☆☆☆☆

مسجد میں بچوں کو بڑوں کی صف میں کھڑا کرنا

مفتی امانت علی قاسمی صاحب، استاذ و مفتی دارالعلوم وقف دیوبند

رمضان المبارک کی تمام نمازوں میں، اس کے علاوہ جمعہ اور عیدین میں لوگ بچوں کو بھی مسجد میں لانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ رمضان المبارک میں خاص طور پر بعض مساجد میں دیکھا کہ بچوں کی وجہ سے نزاع اور لڑائی کی صورت پیدا ہوگئی۔ بعض جگہوں پر بزرگوں کو دیکھا کہ وہ بچوں کو مسجد میں دیکھنا ہی نہیں چاہتے ہیں اور اگر کوئی بچہ مسجد میں آ گیا تو دست درازی اپنا حق تصور کرتے ہیں۔ مسجدوں میں عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ لوگ چھوٹے بچوں کو پیچھے کرتے رہتے ہیں ہر کوئی اسے نماز کا لازمی جز قرار دیتا ہے اور نماز میں داخل ہونے سے پہلے اگر کوئی بچہ بڑوں کی صفوں میں نظر آئے تو اسے پیچھے کرنا ضروری خیال کرتا ہے۔ بعض مرتبہ عید کی نماز میں اعلان کرتے سنا کہ بچوں کو پیچھے کردیں ورنہ سب کی نماز نہیں ہوگی۔ اب ہزاروں کے مجمع میں بچے کا ولی اور سرپرست بچے کو پیچھے کس طرح کرے اور پیچھے کرنے کے بعد اگر بچے گم ہوجائیں تو تلاش کس طرح کرے؟ اور کیا یہ کسی حدیث سے ثابت ہے کہ اگر بچے بڑوں کی صف میں نہیں پڑھیں گے تو کسی کی بھی نماز نہیں ہوگی؟ اس طرح کے مسائل ہماری زندگی کا حصہ بن گئے ہیں؛ اس لیے ضروری ہے کہ ان مسائل کا جائزہ لیا جائے اور صحیح صورت حال واضح کی جائے۔

روایات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بچے بہت زیادہ چھوٹے ہوں اور ان کو بالکل شعور نہ ہو، ماں باپ سے علحدہ نہ رہ سکتے ہوں، پیشاب وغیرہ کا خیال نہ رکھتے ہوں، اتنے چھوٹے بچوں کو مسجد لانا درست نہیں ہے۔ حدیث میں اس قدر چھوٹے بچوں کو لانے سے منع کیا گیا ہے؛ اس لیے کہ ایسے بچے کسی بھی ناگہانی پر رونا شروع کردیں گے جس سے تمام نمازیوں کا خشوع وخضوع متاثر ہوگا۔ ایسے بچے پیشاب کرکے مسجد کو ناپاک کرسکتے ہیں، شور و ہنگامے کے ذریعہ مسجد کے پرسکون ماحول میں خلل ڈال سکتے ہیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: جنبوا مساجدکم صبیانکم، ومجانینکم، وشرائکم، وبیعکم، وخصوماتکم، ورفع اصواتکم، وإقامة حدودکم، وسل سیوفکم، واتخذوا علی ابوابها المطاهر، وجمروها فی الجمع (سنن ابن ماجه باب مایکره فی المساجد، حدیث نمبر: 750)

حضورﷺ نے فرمایا: اپنی مساجد کو اپنے بچوں اور مجنونوں سے دور رکھو، مسجد میں خرید وفروخت، مقدمات کے فیصلے، شور ہنگامے، حدود قائم کرنے اور تلواریں سونتنے سے پرہیز کرو۔ مسجد کے دروازے پر وضوخانہ اور استنجا خانہ بناؤ اور جمعہ کے دن مسجد میں دھونی دو۔

حدیث پر غور فرمائیں اس لیے بچوں کو نہیں منع کیا گیا ہے کہ ان کے آنے سے نماز نہیں ہوگی بلکہ اس لیے منع کیا گیا کہ مسجد کا وقار متاثر ہوگا یہی وجہ ہے کہ صرف بچوں کو لانے سے منع نہیں کیا گیا؛ بلکہ گم شدہ چیزوں کا اعلان کرنے، بیت بازی کرنے، بدبودار چیزوں کو مسجد میں لے جانے، جنبی، حائضہ اور نفاس والی عورت کو مسجد میں داخل ہونے اور ان تمام کاموں سے منع کیا گیا ہے جو احترام مسجد کے منافی ہے۔

جو بچے شعور وادراک رکھتے ہیں، پاکی وناپاکی کو سمجھتے ہیں اور تنہا اسکول یا مدرسہ پڑھنے جاتے ہیں ایسے بچوں کو مسجد میں لانا درست ہے تاکہ وہ مسجد کے ماحول سے مانوس ہوں اور ابتداء سے ہی نماز کے عادی بن جائیں؛ یہی وجہ ہے کہ بالغ ہونے سے پہلے سات سال کی عمر کے بچوں کو آپﷺ نے نماز کی تعلیم دینے کا حکم دیا ہے۔

مرواصبیانکم بالصلاۃ اذا بلغوا سبعا واضربوھم اذا بلغوا عشرا وفرقوا بینھم فی المضاجع (مصنف ابن ابی شیبۃ، متی یومر الصبی بالصلاۃ' حدیث نمبر:3482)

بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہوں جائیں اور ان کو نماز چھوڑنے پر مارو جب کہ وہ دس سال کے ہوجائیں اور ان کے بستر الگ کردو۔

ایسے بچوں کو مسجد میں لانا بچوں کو مسجد کے ماحول سے مانوس کرنے کے لیے بہتر قدم ہے۔ سات سال کے بچے تو بحکم حدیث مسجد آئیں گے ان کو مسجد میں آنے سے روکنا درست نہیں ہے۔ سات سال سے کم عمر کے بچے بھی اگر شعور واحساس رکھتے ہوں، اسکول مدرسے میں تنہا پڑھنے جاتے ہیں اور ان کی تعلیمی وتربیتی زندگی کا آغاز ہو چکا ہے تو ان کو بھی مسجد لانا درست ہے ہاں جو بچے ماں باپ سے علیحدہ نہیں رہ سکتے ہیں اور شعور وادراک نہیں رکھتے ہیں ایسے بچوں کو مسجد میں لانا جائز نہیں ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ بچے نماز کی صفوں میں کہاں کھڑے ہوں گے؟ اس سلسلے میں حکم یہ ہے کہ اگر صرف ایک بچہ ہے تو وہ مرد حضرات کے ساتھ صفوں میں کھڑا ہوگا۔

بخاری شریف کی روایت ہے حضرت انس کی نانی حضرت ملیکہ رضی اللہ عنہا نے حضورﷺ کو کھانے کے لیے مدعو کیا آپﷺ نے ان کے یہاں کھانا تناول فرمایا پھر آپ نے فرمایا: آؤ! میں تم لوگوں کو نماز پڑھاتا ہوں۔

حضرت انس فرماتے ہیں: کہ میں نے ایک چٹائی لی جو کثرت استعمال کی وجہ سے میلی ہوگئی تھی اسے جلدی سے دھویا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر کھڑے ہوکر نماز پڑھائی۔ نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے میں اور ایک یتیم (نابالغ) بچے نے صف لگائی اور میرے پیچھے بڑی بی (میری دادی) نے صف لگائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھائی پھر آپ تشریف لے گئے۔

عنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ جَدَّتَهُ مُلَيْكَةَ دَعَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَتْهُ لَهُ فَأَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ قَالَ قُومُوا فَلِأُصَلِّ لَكُمْ قَالَ أَنَسٌ فَقُمْتُ إِلَى حَصِيرٍ لَنَا قَدْ اسْوَدَّ مِنْ طُولِ مَا لُبِسَ فَنَضَحْتُهُ بِمَاءٍ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَفَفْتُ وَالْيَتِيمَ وَرَاءَهُ وَالْعَجُوزُ مِنْ وَرَائِنَا فَصَلَّى لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفَ (بخاری، الصحیح، کتاب الصلاۃ، 380)۔

غور فرمائیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے حضرت انس اور ایک نابالغ بچے نے ایک صف میں نماز پڑھی، انہوں نے بچے کو پیچھے نہیں کیا اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچے کو پیچھے کرنے کا حکم دیا۔ علامہ عینی اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں: وفیہ قیام الطفل مع الرجال فی صف واحد (عمدۃ القاری 4/112، دار احیا التراث العربی بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ ایک بچہ ہو تو وہ مردوں کے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑا ہوگا علیحدہ صف نہیں لگائے گا۔

اگر بچے متعدد ہوں تو بچوں کی صف مرد حضرات کی صف سے پیچھے لگائی جائے گی۔ صاحب بحر فرماتے ہیں: کہ یہ ترتیب کہ پہلے مرد حضرات ہوں گے اس کے بعد بچے پھر عورتیں ہوگی اس صورت میں ہے کہ مردوں کی جماعت کے ساتھ بچوں کی بھی جماعت ہو۔

:قوله: ویصف الرجال ثم الصبیان ثم النساء)؛ لقوله علیه الصلاة والسلام: لیلینی منکم اولو الاحلام والنهی... ولم ار صریحًا حکم ما إذا صلی ومعه رجل وصبیّ، وإن کان داخلاً تحت قوله: "والاثنان خلفه" وظاهر حدیث انس انه یسوی بین الرجل والصبی ویکونان خلفه؛ فإنه قال: فصففت انا والیتیم ورائه، والعجوز من ورائنا، ویقتضی ایضًا ان الصبیّ الواحد لا یکون منفردًا عن صف الرجال بل یدخل فی صفهم، و ان محلّ هذا الترتیب إنما هو عند حضور جمع من الرجال وجمع من الصبیان فحینئذ تؤخر الصبیان".

(البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة 3/416 ط: دار الفکر)

لیکن اگر بچے شرارتی ہوں اور اندیشہ ہے کہ بچوں کی صفیں علیحدہ لگانے کی صورت میں بچے شرارت اور شور کریں گے جس کی وجہ سے بڑوں کی نماز میں بھی خلل واقع ہوگا تو ایسی صورت میں بچوں کے لیے علیحدہ صف لگانے کے بجائے ان کو مردوں کے صف میں ہی کھڑا کیا جائے تا کہ بچوں کی شرارت سے دیگر نمازیوں کی نماز میں خلل واقع نہ ہو۔

حضرات فقہانے اس کی صراحت کی ہے کہ بچوں کے شرارت کرنے کی صورت میں بچوں کے لیے علحدہ صف نہ لگائی جائے؛ بلکہ ان کو اپنی صفوں میں کھڑا کیا جائے۔

(قوله: ذكره في البحر بحثًا) قال الرحمتي: ربما يتعين في زماننا إدخال الصبيان في صفوف الرجال، لأنّ المعهود منهم إذا اجتمع صبيّان فاكثر تبطل صلاة بعضهم ببعض وربما تعدّى ضررهم إلى إفساد صلاة الرجال، انتهى. (التحرير المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة 1/571 ط: سعيد)۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اگر نابالغ بچے ایک سے زائد ہوتو ان کی صف مردوں کی صف کے پیچھے ہونا چاہیے یہ حکم بطور استحباب یا بطور سنت ہے بطور وجوب نہیں ہے۔غنیۃ المتملی میں ہے:

ثم الترتيب بين الرجال والصبيان سنة لا فرض هو الصحيح (غنية المتملي شرح منية المصلي، ص:485)

پھر مردوں اور بچوں کی صفوں میں ترتیب سنت ہے فرض نہیں ہے یہی مفتی بہ قول ہے۔

عیدوغیرہ کے موقع پر جہاں ازدحام زیادہ ہووہاں پر مردوں کی صف میں بچوں کو کھڑا کر سکتے ہیں بچوں کو پیچھے کرنا ضروری نہیں ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ بچے اگر بڑوں کی صف میں ہوں گے تو بڑوں کی نماز بھی فاسد ہوجائے گی یہ غلط تصور ہے اس کی کوئی دلیل نہیں ہے ہاں درمیان صف میں کھڑا کرنے میں ممکن ہے کہ بچے کے شرارت اور ادھر ادھر حرکت کرنے کی وجہ سے ساتھ میں پڑھنے والے نمازیوں کی نماز میں خلل ہوجائے؛اس لیے بہتر ہے کہ بچوں کو مردوں کے صف میں ہی کنارے میں کھڑا کیا جائے حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں: اب مفتی بہ قول یہ ہے کہ بچوں کو پیچھے کھڑے نہ کریں ورنہ وہ بہت شرارت کرتے ہیں لہذا ان کو صفوں میں دائیں بائیں کھڑا کیا جائے تاکہ وہ شرارت کرکے نماز خراب نہ کریں (انعام الباری دورس بخاری ۳/۵۴۹)۔

واللہ اعلم بالصواب۔

بشکریہ ریاض الجنۃ

☆☆☆☆

مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ

مدیر التحریر کے قلم سے

حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ ۸ شوال ۱۲۹۴ کو پیدا ہوئے۔آپؒ کا تاریخی نام مختار احمد، عرفی نام میم شاہ اور اصل نام سید اصغر حسین تھا۔نانا صاحب سید محمد عبداللہ شاہ صاحب عرف میاں جی منّا شاہ صاحبؒ (موسس دارالعلوم دیوبند) کا تجویز کردہ نام فرخ سیر ہے۔آپؒ کے والد ماجد کا نام سید محمد حسن شاہؒ ہے۔حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ کو بسم اللہ آپؒ کے نانا میاں جی منا شاہؒ نے کرائی اور قرآن مجید کی تعلیم دی۔اردو فارسی کی تعلیم آپؒ نے اپنے والد محترم سے حاصل کی اور بعد ازاں جامعہ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو کر مولانا محمد یسین دیوبندیؒ اور مولانا منظور احمد صاحبؒ سے فارسی علوم کی تکمیل کی۔فارسی کے علوم کی تکمیل کے بعد آپؒ ۱۳۱۰ھ میں دارالعلوم دیوبند کے شعبہ عربی میں داخل ہوئے اور درس نظامی کی تعلیم مکمل کی۔آپؒ نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ، حضرت مولانا حافظ محمد احمد قاسمیؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ جیسی علمی شخصیات سے علم دین کی تکمیل کی اور استفادہ حاصل کیا۔۱۳۲۰ھ میں علوم عربیہ کی تکمیل کے بعد دارالعلوم دیوبند میں ہی ایک سال چند ماہ دفتری امور انجام دیتے رہے اس کے بعد ۱۳۲۱ھ میں آپؒ کو جونپور مدرسہ مسجد اتالہ میں صدر مدرس مقرر کیا گیا۔آپؒ جونپور مدرسہ میں ۱۳۲۷ھ تک دینی خدمات انجام دیتے رہے۔حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ ۱۳۲۷ھ میں اپنے استاد شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کے حکم پر واپس جامعہ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔جامعہ دارالعلوم دیوبند میں درس و تدریس کے ساتھ ساتھ آپؒ کو ''ماہنامہ القاسم'' کا ایڈیٹر مقرر کیا گیا۔آپؒ کی بلند پایہ خصوصیات میں ایک خصوصیت اسباق کے اوقات کی پابندی بھی ہے۔۱۳۵۴ھ میں آپؒ کی جوان العمر صاحبزادی کا انتقال ہوا آپؒ نے نہایت صبر وشکر کے ساتھ انا اللہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور بعد از نماز فجر تجہیز و تکفین کا کام اپنے صاحبزادوں کے سپرد فرما کر خود سبق پڑھانے مدرسہ تشریف لے آئے اور حسب دستور وقت مقررہ تک اسباق پڑھائے اور اسباق کے بعد طلباء اکرام سے دعائے مغفرت کرائی اور جنازہ تیار ہونے پر جنازگاہ تشریف لائے اور نماز جنازہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی امامت میں ادا کی۔

حضرت مولانا سید اصغر حسین دیو بندیؒ حضرت شاہ عبداللہ عرف میاں جی منا شاہؒ سے بیعت تھے اور حضرت میاں جی منا شاہ صاحبؒ بڑے مستجاب الدعوات اور کاملین میں سے تھے۔حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ (مہتمم جامعہ دارالعلوم دیو بند) حجتہ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ (بانی دارالعلوم دیو بند) سے راویت کرتے ہیں کہ دارالعلوم دیو بند کی سنگ بنیاد کی اینٹ رکھنے کا جب وقت آیا تو مولانا قاسم نانوتویؒ نے فرمایا کہ

''دارالعلوم دیو بند کی پہلی اینٹ وہ رکھے گا جس کے دل میں کبھی صغیرہ گناہ کا خیال بھی نہ آیا ہو۔''اور ساتھ ہی حضرت میاں جی منا شاہؒ کا نام پیش فرمادیا جس کو سب حضرات نے پسند کیا اور دارالعلوم دیو بند کے سنگ بنیاد کی پہلی اینٹ حضرت میاں منا شاہؒ نے اپنےؒ دست مبارک سے رکھی جس کے آثار وقبولیت ظاہر ہیں۔(ارشادات حکیم الاسلام ص ۴۳)

حضرت مولانا سید اصغر حسین دیو بندیؒ نے حضرت شاہ عبداللہ عرف میاں جی منا شاہؒ کی صحبت میں رہ کر سلوک کے منازل طے کیے۔آپؒ کو بیعت وخلافت کی اجازت حضرت امداداللہ مہاجر مکیؒ سے بھی حاصل تھی۔اور اسی طرح آپؒ کو حضرت میاں جی منا شاہؒ نے وصال سے ایک دن قبل اجازت بیعت وخلافت سے نوازا تھا۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ فرمایا کرتے تھے کہ:

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ جو حضرت میاں صاحب کے لقب سے مشہور تھے۔دارالعلوم دیو بند میں درجہ علیا کے استاذ تھے ان سے ابوداؤد شریف پڑھنے والے برصغیر میں ہزاروں علماء ہونگے۔علوم قرآن کے بہت بڑے ماہر اور بہت عظیم محدث جملہ علوم و فنون کے بہت بڑے محقق مگر بہت کم گو حدیث کے درس میں نہایت مختصر مگر جامع تقریر ایسی ہوتی تھی کہ حدیث کا مفہوم دل میں اتر جائے اور شبہات کو دبخود کافور ہو جائیں۔حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ اپنے وقت کے عظیم محدث،مفسر،فقیہ،عارف وکامل ،صاحب کشف کرامات اور شیخ کامل تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر ایک سنت کے عامل تھے۔سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہت اہتمام فرمایا کرتے تھے۔جب آپؒ نے ''گلزار سنت'' کتاب تصنیف فرمائی تو شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیو بندیؒ نے اس کتاب کو پسند فرمایا اور اپنے مریدین سے کو ہدایت دی کہ گلزار سنت کا مطالعہ کرو اور اس پر عمل کیا کرو۔آپؒ نے تمام زندگی درس وتدریس میں اور تبلیغ واصلاح میں گزاری۔آپؒ مرید بہت کم رکھتے تھے البتہ یہ بات مشہور ہے کہ انسانوں سے زیادہ جنات آپؒ کے مرید ہیں۔عصر کی نماز کے بعد دعا وغیرہ کا وقت مقرر تھا اس لیے ہزاروں لوگ بعز از نماز عصر دیو بند میں جمع ہو جاتے تھے۔علماء طلباء اور بہت سے لوگ صرف زیارت اور ملاقات کے لیے حاضر ہوتے تھے۔آپؒ حلم سے عمل سے دعاء سے،غرض ہر طرح سے منبع فیوض وبرکات تھے۔

انہی کا واقعہ ہے کہ آپ کا زنانہ مکان اور نشست گاہ کچی مٹی کی بنی ہوئی تھیں، ہر سال برسات کے مواقع پر اس کی لپائی پتائی ناگزیر تھی جس میں کافی پیسہ اور وقت خرچ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہا کہ: "حضرت! جتنا خرچ سالانہ اس کی لپائی پر کرتے ہیں، اگر ایک مرتبہ پختہ اینٹوں سے بنانے میں خرچ کر لیں تو دو تین سال میں یہ خرچ برابر ہو جائے اور ہمیشہ کے لیے اس محنت سے نجات ہو۔"

یہ سن کر پہلے تو فرمایا: "ماشاء اللہ بات تو بہت عقل کی کہی، ہم بوڑھے ہو گئے ادھر دھیان ہی نہ آیا۔" پھر کچھ توقف کے بعد جو حقیقت حال تھی وہ بتائی اور تب پتہ چلا کہ یہ حضرات کس مقام سے سوچتے تھے؟ فرمایا کہ:

"میرے پڑوس میں سب غریبوں کے کچے مکان ہیں، اگر میں اپنا مکان پکا بنوالوں تو غریب پڑوسیوں کو حسرت ہوگی اور اتنی وسعت نہیں کہ سب کے مکان پکے بناؤں"۔

مفتی محمد شفیع عثمانی صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

"اس وقت معلوم ہوا کہ یہ حضرات جو کچھ سوچتے ہیں وہاں تک ہر ایک کی رسائی نہیں ہوسکتی، چنانچہ انھوں نے اس وقت تک اپنے مکان کو پختہ نہیں کیا جب تک پڑوسیوں کے مکان پکے نہیں بن گئے۔" (ماہنامہ البلاغ کراچی۔ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ، ص: ۳۹، ج: ۱۔)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت والد صاحبؒ ان کے گھر تشریف لے گئے تو انھوں نے آموں سے تواضع کی جب آم چوس کر فارغ ہو گئے تو والد صاحبؒ گٹھلیوں اور چھلکوں سے بھری ہوئی ٹوکری اُٹھا کر باہر پھینکنے کے لیے چلے، حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے دیکھا تو پوچھا: "یہ ٹوکری کہاں لے کر چلے"؟ عرض کیا: "چھلکے باہر پھینکنے جا رہا ہوں" ارشاد ہوا "پھینکنے آتے ہیں یا نہیں"؟ والد صاحبؒ نے کہا کہ "حضرت! یہ چھلکے پھینکنا کون سا خصوصی فن ہے جسے سیکھنے کی ضرورت ہو؟" فرمایا: ہاں! تم اس فن سے واقف نہیں، لاؤ، مجھے دو"، خود ٹوکری اُٹھا کر پہلے چھلکے گٹھلیوں سے الگ کیے، اس کے بعد باہر تشریف لائے اور سڑک کے کنارے تھوڑے تھوڑے فاصلے سے معین جگہوں پر چھلکے رکھ دیے اور ایک خاص جگہ گٹھلیاں ڈال دیں، والد صاحبؒ کے استفسار پر ارشاد ہوا کہ: "ہمارے مکان کے قرب وجوار میں تمام غرباء ومساکین رہتے ہیں، زیادہ تر وہی لوگ ہیں جن کو نانِ جویں بھی بمشکل ہی میسر آتی ہے، اگر وہ پھلوں کے چھلکے یکجا دیکھیں گے تو ان کو اپنی غریبی کا شدت سے احساس ہوگا اور بے مائیگی کی وجہ سے حسرت ہوگی اور اس ایذا دہی کا باعث میں بنوں گا اس لیے متفرق کر کے ڈالتا ہوں اور وہ بھی ایسے مقامات پر جہاں جانوروں کے

گلے گزرتے ہیں، یہ چھلکے ان کے کام آجاتے ہیں اور گٹھلیاں ایسی جگہ رکھی ہیں جہاں بچے کھیلتے کودتے ہیں، وہ ان گٹھلیوں کو بھون کر کھالیتے ہیں، یہ چھلکے اور گٹھلیاں بھی بہر حال ایک نعمت ہیں، اُن کو بھی ضائع کرنا مناسب نہیں۔"

مفتی تقی عثمانی صاحب کے برادرِ مرحوم مولانا محمد زکی کیفی صاحبؒ جو اس واقعے کے وقت موجود تھے تحریر فرماتے ہیں:

"یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہنے کی ہے کہ میاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ خود تو شاید ہی کبھی کوئی آم چکھ لیتے ہوں، عموماً مہمانوں ہی کے لیے ہوتے تھے اور محلے کے غریب بچوں کو بلا بلا کر کھلانے میں استعمال ہوتے تھے، اس کے باوجود چھلکے گٹھلیوں کا یکجا ڈھیر کردینے سے گریز فرماتے تھے کہ غریبوں کی حسرت کا سبب نہ بن جائیں۔" (یہ تھے اکابر دیوبند)

حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا معمول تھا کہ جو کھانا گھر سے آتا تھا، خود تو بہت کم خوراک کھاتے تھے باقی کھانا محلے کے بچوں کو کھلادیتے تھے جو بوٹی بچ جائے اس کو بلی کے لیے دیوار پر رکھ دیتے اور جو ٹکڑے بچ جاتے ان کو چھوٹا چھوٹا کر کے چڑیوں کے لیے اور دسترخوان کے ریزوں کو بھی ایسی جگہ جھاڑتے تھے جہاں چیونٹیوں کا بل ہو۔ (انوارِ انوری، ص: ۴۰۔)

آپؒ کی تصانیف میں فتاویٰ محمد، فقہ حدیث، اذان واقامت، حیات خضر علیہ السلام، سوانح امام ابوحنیفہؒ، سوانح مولانا رومؒ، حیات شیخ الہند، دست غیب، گلزارِ سنت، مفید الوارثین، میراث المسلمین، علم الاولین، نیک بیویاں، سراجی پر حاشیہ، شرح جامع ترمذی، ارشاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، افعال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تعبیر نامہ خواب جیسی کتابیں آپؒ کا علمی شاہکار ہیں۔

آپؒ نے اپنی زندگی میں تین حج کیے۔ پہلا حج حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے قیام کے زمانہ میں ادا کیا اور کافی دن حضرت حاجی صاحبؒ کی صحبت میں گزارے۔ دوسرا حج ۱۳۴۵ھ میں دا کیا اور تیسرا حج ۱۳۵۰ھ میں ادا کیا۔ اور حج اس شان سے ادا کرتے تھے کہ اپنی آمد اور روانگی کو صیغہ راز میں رکھا کرتے تھے۔

حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ کا گجرات کا سفر بہت ہوتا تھا اور رمضان المبارک کا زیادہ تر حصہ راندھیر ضلع سورت میں گزارا کرتے تھے۔ آخری سال طبعیت علیل تھی اس لیے راندھیر میں زیادہ قیام فرمایا۔ ۲۲ محرام الحرام ۱۳۶۴ھ بروز پیر بعد از نماز فجر اپنے کچھ خاص حضرات کو بلایا اور وصیت فرمائی کہ دنیا سے سب کو جانا ہے اگر میرا انتقال ہوجائے تو انتظار کی ضرورت نہیں فوراً غسل دیکر کفن میرا ساتھ ہے اس کو پہنا کر نماز پڑھ کر عام قبرستان میں دفن کردیا جاجائے، اور نماز جنازہ حافظ محمد صالح صاحب (جو وہاں کے ایک بزرگ تھے۔) پڑھادیں گے۔

۲۲ محرام الحرام ۱۳۶۴ھ بروز پیر تقریباً ایک بجے حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ نے اپنی ساتھوں سے فرمایا اب ہم جاتے ہیں اور کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے اس دار فانی سے رخصت ہوگئے۔

ذکر مظاہر علوم کے دربانوں کا

آنکھوں سے اشک جاری کرنے والی داستان

قسط اول

مفتی ناصر الدین مظاہری صاحب

اسلاف واکابر، اساتذہ اور بزرگوں کا تذکرہ سبھی کرتے ہیں لیکن عہدہ میں کمتر افراد کا ذکر عام طور پر لوگ نہیں کرتے اور کرتے بھی ہیں تو مستقل نہیں کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں عہدے اور مناصب کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی وہاں تو ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم ہی معیار افتخار ہے، بزرگوں کی صحبتوں اوران کی خدمت میں رہتے رہتے عام اور عامی انسان بھی نیک ہوجاتے ہیں، اسی لئے بزرگوں کی صحبت کو لازم پکڑنے کی ہدایت اور نصیحت فرمائی گئی ہے۔ آج کی اس نشست میں مظاہر علوم کے چند دربانوں، فراشوں اور مؤذنوں کا ذکر کرنا چاہوں گا تاکہ پتہ چل سکے کہ اللہ والوں کی صحبت کتنی خیر اور برکت کی چیز ہے اور جو دولت تعلیم سے حاصل نہیں ہو پاتی وہ دولت اسلاف اور اکابر کی خدمت سے حاصل ہوجاتی ہے۔ کیا آپ اصحاب کہف کو بھول سکتے ہیں، ہمیں ان کی تعداد سے مطلب نہیں لیکن ان کی للّٰہیت، ان کی بزرگی اوران کی عنداللہ مقبولیت اور مقبولیت کی وجوہ پر توجہ دینی چاہئے، کیسی برگزیدہ شخصیات اور کیسے ستودہ لوگ تھے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں ضمناً نہیں مستقلاً فرمایا ہے، صرف اصحاب کہف کا نہیں ان کے کتے کا بھی ذکر فرمایا ہے، ہم ان کے کتے کی تفصیل بتانا اور بیان کرنا نہیں چاہتے ورنہ حضرات مفسرین نے ان کے کتے کے بارے میں بھی اتنی تفصیلات تحریر فرمادی ہیں کہ مستقل مضمون تیار ہوسکتا ہے۔ مقصد ان سطور کا صرف یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک کون کس پائے اور کس درجے کا ہے یہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے البتہ اللہ والوں کی صحبتوں سے فیض پانے والے لاکھوں کروڑوں بندگان خداوند بعد والوں کے لئے قابل فخر اوران کی زندگیاں لائق تقلید ہوگئی ہیں۔ حضرت عیسی علیہ السلام کے حواری، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی، حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کی جماعت کے صالحین، حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کی کشتی میں سوار افراد اور خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز پر لبیک کہنے والے سعادت مند لوگ کیا اس لائق نہیں ہیں کہ ان کی زندگیوں کو بیان کیا جائے، نبی کی صحبت اور معیت نے ان پر کیا اثر کیا اس پر روشنی ڈالی جائے اور سب سے اخیر میں ہمارے آقا و مولی

حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات منبع فیوض وبرکات نے اس سلسلۃ الذہب پر مہر لگا دی ہے، انبیاء کی صداقت وحقانیت، انبیائے کرام پر ایمان لانے والوں کی زندگیوں کا مبارک نقش وعکس زبان مبارک سے ادا فرما کر جاوید بنا دیا ہے۔ صحابہ کرام کو اگر رضی اللہ عنہ کا خطاب ملا تو ذات نبی کی وجہ سے، رضوا عنہ کا تمغہ ملا تو ذات نبی کی وجہ سے، انبیاء کے بعد کائنات کا سب سے اچھا طائفہ صحابۂ کرام کا قرار پایا صحبت نبی کی وجہ سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے جو چیز جڑ گئی جاوید ہو گئی پھر چاہے اونٹ ہو، ہرن ہو، کبوتر ہو، مکڑی ہو، سانپ ہو، بکری ہو، چڑیا ہو، شجر وحجر ہوں، جمادات ونباتات ہوں، چاند ہو، بادل ہو، پہاڑ اور مقامات ہوں کوئی بھی چیز ہو ذات نبی سے لمس نے اس کی اہمیت کو قابل رشک بنا دیا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ نے بھارتی دورے کے دوران دارالعلوم میں تقریر فرمائی تھی اور اس میں بطور خاص دربانوں کا ذکر فرمایا تھا اور کہا تھا کہ ایک زمانہ تھا کہ دارالعلوم کے دربان بھی صاحب نسبت ہوا کرتے تھے۔ آج کی اس نشست میں مجھے اسی طبقہ کا ذکر کرنا ہے جس کو عام طور پر لائق اعتناء نہیں سمجھتے حالانکہ یہی وہ طبقہ ہے جو اس وقت جاگ رہا ہوتا ہے جب سارے لوگ سو رہے ہوتے ہیں، یہ طبقہ دن ہو رات ہو، سردی ہو گرمی ہو، جاڑے ہوں یا برسات ہو، بجلیاں کوندرہی ہوں، لو سے بدن جھلس رہے ہوں ہماری حفاظت کے فرائض انجام دے رہا ہوتا ہے۔ تعطیلات کے موقع پر جب سارے اساتذہ اور طلبہ اپنے اپنے وطن میں ہوتے ہیں، عید اور بقرعید کے موسم میں جب سارے ہی لوگ اپنے بچوں کے ساتھ خوشیاں منا رہے ہوتے ہیں، دربانوں کا ایک طبقہ ایسا بھی ہوتا ہے جو اپنے بچوں کی خوشی کی خاطر اپنی خوشیوں کو قربان کر رہا ہوتا ہے۔

ملا زاہد حسن:

یہ مظاہر علوم میں فراش تھے، ان کا نام زاہد حسن تھا، بڑے اللہ والے تھے، گیٹ بند کرنے اور کھولنے کے علاوہ گھنٹہ بجانے کی ذمہ داری بھی ان ہی کی تھی، ان کی خدا ترسی اور للّٰہیت سن کر رشک آتا ہے، فالتو باتیں نہیں کرتے تھے، کم پڑھے لکھے تھے لیکن بزرگوں کے صحبت یافتہ تھے اس لئے کم از کم اسم پاک اللہ اللہ سے ان کی زبان تروتازہ رہتی تھی، ہر کام کی شروعات بسم اللہ سے کرتے تھے، حتی کہ گھنٹہ بجانے کا ان کا منفرد انداز تھا جو اِس زمانہ میں عنقا ہو چکا ہے، ہوتا یہ تھا کہ زاہد صاحب گھنٹہ بجانے کے لئے جب ہتھوڑے کو اوپر کرتے تو کہتے کہ ''بول رے گھنٹہ اللہ ھو'' اور زور سے ہتھوڑے کو گھنٹہ پر مارتے تھے۔ غالبا حضرت ابومسلم خولانیؒ کا واقعہ کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ ان کے پاس جو تسبیح تھی اس کو جب فرصت کے اوقات میں کھونٹی پر لٹکا دیتے تو اس کا ایک ایک دانہ گرتا رہتا اور اللہ اللہ کی آواز بلند ہوتی رہتی تھی۔ کیا بعید ہے اللہ اپنے اس بندے کے گھنٹہ بجانے کی اس ادا پر خوش ہو جائے اور بیڑہ پار ہو جائے۔

الحاج اللہ بندہ مرحوم:

حضرت امام بخاری اور امام مسلم نے ایک روایت درج کی ہے جس کا ہم خلاصہ اپنے الفاظ میں پیش کرتے ہیں: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس بوڑھی کالی کلوٹی خاتون کے بارے میں استفسار فرمایا جو مسجد میں جھاڑو دیتی تھی، صفائی کرتی تھی، مسجد میں ہی کسی حصہ میں قیام کرتی تھی گویا مسجد نبوی ہی اس کا گھر اور مسجد نبوی ہی اس کی جائے پناہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ہر کسی کا خیال فرماتے تھے بھلا وہ بڑھیا کیسے نظر رسول مقبول سے محروم رہ سکتی تھی، جب کچھ دن تک وہ دکھائی نہیں دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے اس کی بابت معلوم فرمایا کہ جو عورت جو ہماری مسجد کی صفائی کرتی تھی، جھاڑو پھیرتی تھی، وہ کدھر گئی؟ مجھے کچھ دنوں سے نظر نہیں آ رہی؟۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اس کا تو انتقال ہو گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَفَلَا كُنْتُمْ آذَنْتُمُونِي

''تم نے مجھے اس کی اطلاع کیوں نہیں دی؟'' صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دینی اس لئے ضروری نہیں سمجھی کہ یہ ایک بوڑھی عورت ہے پھر انتقال بھی رات کے وقت ہوا ہے اور جنازہ میں شرکت کے لئے صحابہ کرام کی اچھی خاصی تعداد تو ہے ہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت نہایت قیمتی ہے، آرام کا وقت ہے اس لئے صحابہ کرام نے اطلاع نہیں دی اور خود ہی جنازہ پڑھ کر قبرستان میں دفن کر دیا۔ اب آپ ام محجن کی خوش نصیبی دیکھئے وہ خاتون جس کے انتقال اور جنازے کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دی گئی تھی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دُلُّونِي عَلٰى قَبْرِهَا

''مجھے بتاؤ! اس کی قبر کہاں ہے؟ اسے کس جگہ دفن کیا گیا ہے؟'' صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ام محجن رضی اللہ عنہا کی قبر دکھائی۔ اب دیکھیے! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو اس عورت کی اہمیت اور قدر و منزلت بتانا چاہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان تشریف لے جاتے ہیں۔ ام محجن کی قبر پر کھڑے ہوئے۔ صحابہ کرام نے صف باندھ لی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی، پھر صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا:

إِنَّ هٰذِهِ الْقُبُورَ مَمْلُوءَةٌ ظُلْمَةً عَلٰى أَهْلِهَا

''بلاشبہ یہ قبریں اپنے مکینوں کے لیے سخت اندھیری ہوتی ہیں''۔

وَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُنَوِّرُهَا لَهُمْ بِصَلَاتِي عَلَيْهِمْ

''یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر میرے نماز پڑھنے کے باعث انہیں منور کر دیتا ہے۔''(بخاري، مسلم، الاصابۃ)۔
فتح الباری میں اس واقعہ میں ذراسی تبدیلی ہے وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبرستان میں ایک تازہ قبر دیکھ کر صحابہ سے پوچھا کہ "**ماهذاالقبر؟**"، یہ قبر کس کی ہے؟ **قالوا: أم محجن**، عرض کیا یہ ام محجن کی قبر ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید پوچھا: وہی جو مسجد میں ٹھہرتی تھی؟ صحابۂ کرام نے عرض کیا: نعم یارسول اللہ! جی ہاں اے اللہ کے رسول! یہ اسی خاتون کی قبر ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صف بندی کی، نماز جنازہ پڑھائی اور قبر والی خاتون کو مخاطب بنا کر پوچھا: **أی العمل وجدت أفضل**؟ تو نے اپنا کون سا عمل افضل پایا؟ تو بڑھیا نے جواب دیا: **قم المسجد**، مسجد میں قیام اور ٹھہرنے کو میں نے سب سے اچھا عمل پایا۔ اس واقعہ کو منذری نے ترغیب میں، ابن رجب نے فتح الباری میں ذکر فرمایا ہے۔
بہر حال مقصد میں ان معروضات کا صرف یہ ہے کہ جس طرح پتھرا اپنی جگہ پر پڑا پڑا بھاری ہوجاتا ہے، شخصیتیں اپنی جگہ پر پڑے پڑے مکرم و محترم اور معظم ہوجاتی ہیں، بالکل اسی طرح مسجد میں قیام ہو، اکابر کی صحبت ہو، اللہ والوں کی مجالس ہوں، اسلاف کی خدمت ہو یہ سب اپنے اپنے ظرف اور ظروف کو بھرتے ضرور ہیں بس شرط یہ ہے کہ نیت میں فساد نہ ہو، دنیا کا حرص نہ ہو، جاہ اور منصب کا لالچ نہ ہو، شہرت کی چاہت نہ ہو، اخلاص ہو بھلے ہی افلاس ہو، خلوص ہو بھلے ہی فلوس نہ ہوں۔ یہ جو خانقاہوں کے حاضر باش، دعوتی امور میں اپنی زندگیاں صرف کئے ہوئے پیر وفقیر اور بوڑھے ضعیف، مسجدوں میں پڑے ہوئے کمزور وناتواں افراد، مدارس میں پوری پوری زندگیاں گزار دینے والے مخلص افراد جن کے پاس عہدے نہیں ہوتے، مناسب مناصب نہیں ہوتے، شہرت ومقبولیت نہیں ہوتی، عام ماحول اور معاشرہ میں کوئی امیج اور قدر نہیں ہوتی یہ سب اسی دنیا تک ہے آنکھیں بند ہونے کے بعد پتہ چلے گا کہ بعضے مریدا پنے پیر ومرشد سے بھی مقام ومرتبہ میں آگے نکل گئے، دنیا میں جن کا نام لینا اور جن کو اپنے پاس بٹھانا لوگ گوارا نہیں کرتے ہوں لیکن انشاءاللہ وہ جنت الفردوس میں گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے تخت زریں پر جلوہ افروز ہوں گے، یہ لوگ جن کے جنازوں میں بہت کم تعداد ہوتی ہے، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اُن کی کوئی پذیرائی نہیں ہوگی، ہرگز نہیں یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس کا قریب ترین، عزیز ترین بندہ کون سا ہے۔ ہماری آنکھیں جب تک کھلی ہیں تب تک ہم اپنے بنائے ہوئے معیارات اور تصورات کے مطابق اپنے محل اور محلات بناتے ہیں لیکن ظاہری آنکھیں بند ہونے کے بعد پتہ چلے گا کہ وہاں کا تو معاملہ ہی برعکس ہے۔ مجذوب صفت، الول جلول، سادہ، مخلص، محنتی، جفاکش، وفاکیش اور گمنام ونیک نام افراد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کیا معاملہ فرماتا ہے یہ نہ ہم جانتے ہیں نہ آپ جانتے ہیں نہ ہی بظاہر جاننے کا کوئی پیمانہ ہے البتہ اتنا ضرور ہے کہ اللہ کو متواضعین بہت محبوب ہیں اور ان سے زیادہ متواضع کون ہوگا، جو اپنے ہاتھ کو موڑ کر تکیہ بنا لیتے ہیں، جو اپنے کرتے لنگی کو اپنی

چادر سمجھتے ہیں، جومسجد کی چٹائی کواپنا گدا تصور کرتے ہیں، جومسجد کے کسی کونے کواپنا گھر جانتے ہیں جو خانقاہ کے کسی دَر کو اپنی معراج اور آرام گاہ سمجھتے ہیں، جوسب سے بعد میں سب کا بچا ہوا کھانا شوق سے کھاتے ہیں جو کبھی کبھی بقدر ضرورت کھانا بھی نہیں پاتے پھر بھی صبر و شکر کا پیکر بنے رہتے ہیں، جو خدمت کرتے کرتے اپنے آپ کو ختم کر دیتے ہیں، کیا جانیں آپ اور کیا جانیں ہم ان کے مقام اور مرتبے کو۔ الحاج اللہ بندہ نام کے ایک صاحب ہوا کرتے تھے، مظاہر علوم کی مسجد میں اذان دیتے تھے، مسجد کی صفائی کرتے تھے، تکبیر کہتے تھے اور بس ان کا شب و روز یہی مشغلہ تھا، فرصت ملتی تو حضرت مولانا محمد زکریاؒ کی خدمت میں پہنچ جاتے اور وقتی ہدایات پر عمل پیرا ہو کر اپنی سعادت مندیوں میں اضافہ کرتے تھے۔ اللہ بندہ اگرچہ پڑھے لکھے نہیں تھے لیکن ان کی للّٰہیت کا عالم یہ تھا کہ کبھی ان کی تکبیر اولی فوت نہیں ہوتی بلکہ بہت سے بوڑھے علمائے کرام اور عام لوگوں کی زبانی سنا کہ تہجد کے بڑے پابند تھے، حضرت مولانا محمد زکریاؒ ایک دفعہ حج کے لئے جانے والے تھے، اللہ بندہ سے کہنے لگے: کہ ''اگر تو میرے ساتھ چلے تو تیرے کو حج کی سعادت بھی مل جائے گی اور مجھے خادم بھی مل جائے گا''۔ اللہ بندہ کہنے لگے کہ میری تو دیرینہ تمنا ہے لیکن مدرسہ اتنی لمبی چھٹی فراشوں کو نہیں دیتا، حضرت شیخ نے فرمایا کہ مدرسہ سے تو میں اجازت دلوادوں گا تو تیاری کر لے۔ اجازت مل گئی، قافلہ روانہ ہو گیا، حضرت شیخ کافی عرصہ مدینہ منورہ میں قیام کرتے تھے، علمی، روحانی، اصلاحی مجلسیں لگتیں، لوگوں کو فائدہ ہوتا، اللہ بندہ خدمت کرتے، فرصت ملتے ہی مسجد نبوی پہنچ جاتے اور صلوۃ وسلام کی ڈالیاں، نماز و دعا کی سعادتیں، ایک دن عجیب وغریب واقعہ ہوا جس کی وجہ سے اللہ بندہ کی قدر و قیمت میں مزید اضافہ ہو گیا، ہوا یہ کہ صبح صبح لوگوں نے حضرت شیخ کی مجلس میں عرض کیا کہ حضرت! آج مدینہ میں تمام کتے مرے ہوئے پائے گئے ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ ممکن ہے کوئی وبائی بیماری ایسی پیدا ہو گئی ہو جس سے جانور متأثر ہو گئے ہوں، اللہ بندہ وہیں موجود تھے، روئے اور خوب روئے، ہچکیاں بندھ گئیں، حضرت شیخ نے پوچھا تجھے کیا ہوا، بیٹھے بٹھائے رونے کی کیا وجہ ہے؟ اللہ بندہ بولے کہ حضرت یہ کتوں والا واقعہ میری وجہ سے ہوا ہے، حضرت نے پوچھا کہ تیری وجہ سے کیسے ہوا؟ کہنے لگے کہ آج رات خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کہ اللہ بندہ! تم کو میرے شہر میں کوئی پریشانی تو نہیں ہو رہی ہے؟ میں نے بے خیالی میں عرض کر دیا کہ حضرت پریشانی تو کوئی نہیں البتہ جب میں تہجد کے لئے مسجد آتا ہوں تو کتے پیچھے پڑ جاتے ہیں، اتنا سننا تھا کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک فضا میں لہرایا اور فرمایا کہ اب سے مدینہ میں تجھے کتے پریشان نہیں کریں گے۔ یہ خواب بیان کر کے اللہ بندہ پھر رونے لگے، حضرت شیخ بہت بگڑے کہ اللہ کے بندے! سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور ان سے ایسی بات کہی۔ اللہ بندہ تاحیات مدرسہ میں مؤذن رہے۔ (جاری ہے)

نعت، تاریخ، ہیئت، اسالیب اور نعت گوئی کے آداب

نعت گوئی پر ایک زبردست مضمون

(قسط اول)

محترم سمیع اللہ حضروی صاحب

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور توصیف کا سلسلہ روز اول ہی سے شروع ہے۔شعراء اور نثر نگار اپنے اپنے انداز میں بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں گل ہائے عقیدت پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے آئے ہیں۔ایک روایت کے مطابق جب حضرت آدم اور حضرت حوا علیہم السلام کا نکاح ہوا تو حق مہر یہ رکھا گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات پر درود بھیجیں۔نعت سے متعلق ڈاکٹر فرمان فتح پوری کہتے ہیں:

''نعت کا موضوع ہماری زندگی کا ایک نہایت عظیم و وسیع موضوع ہے۔اس کی عظمت و وسعت کی حدیں ایک طرف عبد سے، دوسری طرف معبود سے ملتی ہیں۔اس موضوع کو ہاتھ لگانا اتنا آسان کام نہیں، جتنا سمجھا گیا ہے۔''(اردو کی نعتیہ شاعری از ڈاکٹر فرمان فتح پوری ص13)

بعثت نبوی وقت سے پہلے ہی اہل مکہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مداح تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق اور امین کے مہتمم بالشان لقب سے ملقب کرتے تھے۔

بعثت کے بعد جب کفار مکہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہو گئے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہجویہ شعر کہتے تھے۔جس کے جواب میں صحابہ شعراء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مؤثر انداز میں دفاع کیا۔انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب نسب، اخلاق و کردار، توصیف و ستائش شرافت و نجابت، سخاوت، علم و حلم، شجاعت، رحمت، محبت اور جمال ظاہری و باطنی وغیرہ جیسے اوصاف حمیدہ اس فصاحت و بلاغت سے بیان کیے کہ دشمنان رسول کے ناطقے بند ہو گئے۔

اللہ تعالی نے تمام انبیاے کرام علیہم السلام کی ارواح مبارکہ سے اس بات کا عہد لیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور اگر ان کے عہد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو وہ ان کی مدد بھی کریں گے۔

تمام انبیاے کرام علیہم السلام کی ارواح مقدسہ نے اقرار کیا۔ ہر نبی علیہ السلام نے اپنی امت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خوش خبری دی۔ یہ سب باتیں مدحت نبوی ﷺ کے زمرے میں شامل ہیں۔

مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں نے بھی نعت کے ذریعے آپ ﷺ سے اپنی محبت کا اظہار کیا۔ شعراء کے علاوہ نثر نگار اپنی نثر میں مدحت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان انتہائی عمدگی سے کرتے آرہے ہیں۔

حمد باری تعالی کے بعد نعت ہی وہ صنف ادب ہے جسے ہمیشہ سے عروج حاصل رہا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

*** لفظ نعت، قواعد اور لغت کی روشنی میں ***

لفظ نعت، عربی زبان سے اردو میں دخیل ہوا۔ قواعد کی رو سے مصدر اور بہ لحاظ جنس، موئنث ہے۔ نعت کے حروف اصلیہ یعنی مادہ "ن، ع، ت" ہیں۔ اس کے مصادر میں **نعته، نعتا، نعت، نعاته** آتے ہیں۔ اگر نعت، **بننث اور نعتًا یه شرف، یشرف اور شرافته** کے وزن پر آئیں تو طبعی طور پر عمدہ صفات کے پائے جانے کے معانی پائے جاتے ہیں۔ اور اگر اس کے وزن پر نعت ہو تو پھر اس میں معنوی لحاظ سے تکلف پایا جائے گا۔ مختصر یہ کہ نعت کے معانی تقریبا ایک جیسے ہیں یعنی تعریف کرنا۔ صفت بیان کرنا۔ قابل تعریف اور قابل ذکر ہونا وغیرہ۔

اکثر اس (مادہ) کا استعمال خوب صورت اور عمدہ چیز کے لیے کیا جاتا ہے۔

نعت (ن، ع، ت) سے بنے والے مشتقات میں سے **النعتته** (بلند) **النعیث** (اصیل - خالص) - **تناعته** (کسی کی تعریف یا خوبی بیان کرنا)۔ **أستنعته** (کسی کی تعریف کرانا) وغیرہ اہیں۔ (القاموس الوحید از مولانا وحید الزمان قاسمی کیرانوی)

لغت کی رو سے بہ لحاظ معنی، کسی بھی شخص کی تعریف کرنا، نعت کہلاتا ہے۔ اصطلاحی معنوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرنا، نعت کہلاتا ہے۔

اب دنیاے ادب میں یہ صنف (نعت) صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کے لیے مخصوص کی گئی ہے۔ گویا اب نعت سے مراد صرف نبی کریم ﷺ کی تعریف و توصیف بیان کرنا ہے۔

عربی میں نعت کی جمع نعوت ہے۔ اردو میں نعوت کا استعمال بہت کم ہے البتہ نعتیں (جمع استثنائی) اور نعتوں (جمع غیر ندائی کا استعمال کیا جاتا ہے۔

عربی زبان میں نعت کہنے والے کو **ناعت** (بروزن فاعل) کہا جاتا ہے۔ اردو زبان میں یہ لفظ (ناعت) بہت کم مستعمل ہے۔

فارسی اور اردو میں نعت کے ساتھ فارسی لاحقہ فاعلی نویس، نگار، گو اور خواں لگا کر نعت نویس، نعت نگار، نعت گو اور نعت خواں جیسے فاعل

بنائے گئے ہیں۔نعت نویس،نعت نگار اور نعت گو سے مراد نعت لکھنے والا شاعر اور نعت خواں سے مراد نعت پڑھنے والا ہے۔جب کہ نعت نویسی نعت نگاری اور نعت گوئی اس کیفیت ہیں۔ان کا معنی نعت لکھنا اور نعت خوانی (اسم کیفیت) نعت پڑھنا ہے۔یادر ہے کہ اس کیفیت میں مصدری اثر پایا جاتا

مختصر یہ کہ ہر وہ شعر یا نثر،جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف بیان کی جائے،نعت کہلائے گی۔

ڈاکٹر عزیز احسن نے نعت سے متعلق مختلف اقسام بیان کی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔

''حضور کے جمال ومعنوی کا ذکر،تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اسوۂ حسنہ،حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق مع اللہ اور خلقت، معجزات کا بیان،صحابہ کرام کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق،آپ کا اپنی آل کا تعلق احادیث نبوی کا بیان،غزوات النبی کا ذکر،اپنے اور امت کے غم کا استغاثہ،شفاعت طلبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کی خواہش،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں مکہ معظّمہ اور مدینہ طیبہ کا ذکر،شاعر کا مدینہ منورہ میں حاضری کی خواہش،وغیرہ کا ذکر نعت کے زمرے میں آتا ہے۔''

مجید امجد آداب نعت کے بارے میں کہتے ہیں:

''جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں ذراسی لغزش نعت گو حد وکفر میں داخل کر سکتی ہے۔ذراسی کوہتائی مدح کو قدح میں بدل سکتی ہے اور ذرا سا شاعرانہ غلو'ضلالت'' کے زمرے میں آسکتا ہے۔''(نقوش رسول صلی اللہ علیہ وسلم نمبر)

نعت کی تاریخ

نعت کی تاریخ،دوادوار پر مشتمل ہے۔

پہلا دور بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل اور دوسرا دور بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد۔دونوں ادوار کا اجمالی خاکہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ کسی حد تک نعت کی تاریخ سے آگاہی ہو جائے۔

نعت قبل از بعثت نبوی

یہ دور قبل از اسلام یا زمانہ جاہلیت بھی کہلاتا ہے۔اگر غور کیا جائے تو نعت کا آغاز اسی وقت ہو گیا تھا جب اللہ تعالی نے نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق فرمائی تھی۔

حضرت امام ابن کثیر اپنی مشہور کتاب البدایہ والنہایہ میں قصص الانبیاء علیہم السلام کا آغاز ہی تخلیق محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کرتے ہیں۔اس حصہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی تخلیق کا ذکر مختلف روایات کے حوالے سے کرتے ہیں۔جن میں چند ایک روایات بیان کی جاتی ہیں۔

۱۔حضرت عرباض بن ساریہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک میں اللہ تعالی کے نزدیک خاتم النبیین ہو چکا تھا اور حضرت آدم علیہ السلام ابھی اپنے خمیر ہی میں پڑے تھے۔(مسند احمد،مشکوۃ)

۲۔حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یارسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کس وقت ثابت ہو چکی تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت حضرت آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے۔(ترمذی)

۳۔شعبی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کب نبی بنائے گئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام اس وقت روح اور جسد کے درمیان میں تھے جب کہ مجھ سے میثاق نبوت لیا گیا۔

۴۔حضرت علی بن حسین (امام زین العابدین) سے روایت ہے۔وہ اپنے والد حضرت امام حسین بن علی اور وہ حضرت علی سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے چودہ ہزار سال پہلے اپنے رب کے حضور میں ایک نور تھا۔

ان روایات سے بظاہر نعت کا کوئی پہلو سامنے نہیں آتا مگر درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور اقدس کی تخلیق اسی لیے سب سے پہلے فرمائی گئی رب العزت کو یہ منظور تھا کہ میرا محبوب ہر چیز سے پہلے ہی تخلیق کیا جائے اور یہی بات نعت کے زمرے میں آتی ہے۔

اللہ تعالی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح مقدسہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے کا حکم فرمایا اور یہ میثاق بھی لیا کہ اگر آپ ان کی زندگی میں مبعوث فرمائے گئے تو تم ان کی مدد اور ساتھ دو گے۔تمام ارواح مقدسہ نے وعدہ کیا۔یہ مدحت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے کہ انبیاء ورسل علیہم السلام نے اپنی اپنی قوم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں آنے کی خوش خبری سنائی اور ساتھ ہی ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا بھی حکم دیا۔بعض روایات میں آتا ہے کہ کئی لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی خوشی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمدِ سعید سے ہزاروں سال پہلے ہی مدینہ منورہ (اس زمانے اسے یثرب اور کھجوروں والی سرزمین کہا جاتا تھا) میں آگئے کیوں کہ ان لوگوں نے علماے یہود سے سن رکھا تھا کہ یثرب (مدینہ منورہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ہجرت ہوگا۔اور یہیں پر آپ صلہ اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرنے لگے۔اور لازمی طور پر وہ اپنے اپنے انداز سے مدحت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی زبانیں بھی تر رکھتے ہوں گے۔یہود ان لوگوں میں سرفہرست تھے مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرمائے گئے تو یہ کہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہو گئے کہ اللہ کو ہم میں سے رسول مبعوث کرنا چاہیے تھا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی تو آپ ان کے دادا حضرت عبدالمطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد رکھا۔

یہ نام اہل مکہ کے نزدیک نیا تھا۔ جب لوگوں اس نام سے متعلق پوچھا تو حضرت عبدالمطلب نے فرمایا:

''میرا یہ بیٹا بڑی بلند شان والا ہوگا۔ میں چاہوں گا کہ لوگ میرے اس بیٹے کی تعریف کریں۔''

حضرت عبدالمطلب کا یہ عمدہ جواب بھی نعتیہ مضمون کا حامل ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ نے احمد نام رکھا۔ گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ذاتی اسماء مبارک اور دو صفاتی اسماء مبارک یعنی (محمد اور احمد بھی) معنوی لحاظ سے نعت ہی کے غماز ہیں۔ وضاحت پیش کی جاتی ہے۔ محمد، احمد، حامد اور محمود کے حروف اصلیہ ح م د ہیں۔ حَمَدَ کا معنی اُس نے تعریف کی ہے۔ اس نے بڑائی بیان کی۔

حَمَدَ قواعد کی رو سے فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ حمد کے مشتقات میں محمد، احمد، حامد، محمود، تحمید، حمید، حمد، حماد اور حمادی وغیرہ ہیں۔ ان مذکورہ مشتقات میں تعریف کا معنی مشترک ہے۔

ذیل میں صرف چار مشتقات کا ذکر مع قواعد و معانی کیا جاتا ہے۔

1- محمد بروزن مفعل، مفعول کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی بہت زیادہ تعریف کیا گیا۔

2- احمد بروزن اُفعل، تفضیل کل کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی بہت زیادہ تعریف کیا گیا (بہ حیثیت مفعول) اور بہت زیادہ (اللہ تعالیٰ) کی تعریف کرنے والا (بہ حیثیت (/ فاعل)۔

3- حامد بروزن فاعل، اس

کا معنی (اللہ تعالیٰ کی) تعریف کرنے والا ہے۔

4- محمود بروزن مفعول، اس کا معنی جس کی تعریف کی جائے، ہے۔

قرآن مجید سے پہلے نازل ہونے والی آسمانی جیسے توریت، زبور اور انجیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد مسعود کا ذکر، تعریف اور توصیف کے ساتھ بھی نعت ہی کے زمرے میں آتا ہے۔

ہندوؤں کی مذہبی کتب میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر موجود ہے۔ جن میں بھگوت گیتا، وید، پران اور اپنشد شامل ہیں۔ ان کتب میں کلکی اوتار کے نام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا گیا ہے۔

کلکی، سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ''تعریف کیا گیا'' ہے۔ اوتار پیغمبر کو کہتے ہیں۔ لفظ کلکی معنوی لحاظ سے، محمد کا مترادف ہے۔ شری دس اوتار کے شلوک 10 میں لکھا ہے کہ ''کلکی، وشنو یاس کے گھر میں پیدا ہوگا۔'' مزید لکھا ہے کہ ''وہ شمبالا کے گاؤں میں پیدا ہوگا۔'' اسی مقام پر والدہ کا نام ''سومتی'' لکھا گیا ہے۔ سنسکرت زبان میں وشنو کا معنی اللہ، یاس کا معنی بندہ، شمبالا کا معنی امن والی جگہ

اور سومتی کا معنی امن والی (عورت) ہے۔اس طرح کلکی اوتار سے تعریف کیا ہوا پیغمبر، وشنویاس سے عبداللہ (آپ و والد ماجد)، شمبالا سے مکہ مکرمہ اور سومتی سے آمنہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ) مراد ہیں۔

مذاہب عالم میں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر۔ذاکر نائیک،ص129)

انجیل مقدس ا(اب اصل حالت میں موجود نہیں۔راہبوں اور پادریوں نے انجیل کی اپنے مقاصد کے حصول کے لیے تحریف کی ہے۔ آج جو انجیل عیسائیوں کے پاس موجود ہے وہ مکمل تحریف شدہ ہے۔لیکن باوجود کوششوں کے، یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر، انجیل سے نہ مٹا سکے۔

عہد نامہ عتیق کے کئی صحائف میں آج بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوش خبری موجود ہے۔حضرت عیسی علیہ السلام نے فارقلیط کے نام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر دی ہے۔فارقلیط یونانی زبان سے ماخوذ ہے۔یونانی زبان میں اس کا تلفظ ''Paraclete'' ہے۔اس کا معنی ڈرانا (نذیر) تنبیہ کرنا۔ترغیب دینا۔دعا مانگنا اور تسلی وغیرہ دینا ہے۔یونانی زبان میں اسی سے ملتا جلتا ایک اور لفظ بھی ہے یعنی ''Paracletus'' ہے جس کا معنی ''تعریف کیا ہوا'' ہے۔گویا کہ Paraclete ہو یا Paracletus دونوں ہی فارقلیط کے ایک تقریبا جیسے تلفظ ہیں۔انجیل کے ایک قدیم نسخے میں ایک نام ''منحمنا'' آیا ہے، جس کا معنی ''تعریف کیا گیا'' ہے۔

(ذکر محمد وآسمانی صحیفوں میں۔محمد یحی خان ص-317)

''منحنما'' سریانی زبان کا لفظ ہے جو ''محمد'' کا ہم معنی ہے۔

(مقدمہ برنباس کی انجیل: مولانا ابوالاعلی مودودی۔ص24)

انجیل برنباس میں تو واضح طور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک موجود ہے۔

تب بھیڑ آدمیوں کا گروہ نے اپنی آواز بلند کر کے کہا کہ

یا خدا! تو ہم میں اپنا رسول بھیج، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! دنیا کی نجات کے لیے۔(برنباس کی انجیل فصل 97 = آیت 17-18 ص144 ترجمہ اسی ضیائی)

اس کی تائید نبی کریم ﷺ کی ای حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کی خوش خبری ہوں۔

* جاری ہے *

عید قرباں اصل میں ایثارِ ابراہیمؑ ہے

کلام: ابن حسن بھٹکلی صاحب

عید قرباں اصل میں ایثارِ ابراہیمؑ ہے
آج بھی زندہ وہی کردارِ ابراہیمؑ ہے

خواب میں جو کچھ بھی دیکھا سب بتایا من وعن
پھر کہا بیٹے سے اب قربان کردے جان وتن

پھر ہوا کچھ یوں کہ دونوں باپ بیٹے چل پڑے
دفعتاً انوارِ رحمت کے دیئے بھی جل پڑے

عقل حیراں تھی کہ کیا ہونا تھا اور یہ کیا ہوا
مطمئن تھا دل کہ جو کچھ بھی ہوا اچھا ہوا

ذکرِ ربانی کریں گھر گھر کو نورانی کریں
ہم پہ لازم ہے کہ ہم بے لوث قربانی کریں

درحقیقت وہ خدا کے حکم کے پابند تھے
وہ خلیل اللہ تھے بیشک سعادت مند تھے

خواب خود بے تاب تھا تعبیر پانے کے لئے
اور اسمعیلؑ بھی راضی تھے آنے کے لئے

ان کی خاطر تحفتاً جنت سے مینڈھا آ گیا
وہ مقدس خواب بھی تعبیر اپنی پا گیا

اس کی حکمت کون جانے کیا اسے مقصود ہے
وہ خدا ہے ممتحن ہے بس وہی معبود ہے

اس میں کوئی شک نہیں یہ عشق کی تکمیل ہے
ہاں! یہ قربانی خدا کے حکم کی تعمیل ہے

وقت دیتا ہے صدائیں باندھ لے سر سے کفن
دینِ حق پر تو بھی اب قربان جا ابن حسنؔ

ایک نوجوان کے حج کا عجیب واقعہ

محمد حفص فاروقی صاحب

حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ گرمی کے موسم میں دوپہر کے وقت شدت کی گرمی تھی۔ ہر انسان سائے میں تھا اور گرمی کی شدت سے پرندے درختوں کے سائے میں چھپے بیٹھے تھے۔ اس شدید گرمی میں مجھے کام کے سلسلے میں گھر سے باہر جانا پڑا۔ جیسے ہی میں گھر سے باہر نکلا تو میں نے ایک پاہج کو دیکھا جس کی دونوں تانگیں جڑی ہوئی تھیں اور وہ گھسٹ گھسٹ کر آگے کی جانب جارہا تھا۔ جب میں اس کے قریب پہنچا تو دیکھا دھوپ کی شدت کی وجہ سے اس کی جلد سرخ ہوچکی ہے، پسینے میں شرابور جیسے کہ نہایا ہوا ہے۔ میں نے اسے سلام کیا اور پوچھا کہ کہاں جارہے ہو۔؟ اس نے کہا کہ میں حج پر جارہا ہوں۔ میں نے اسے کہا میرے گھر آجاؤ کچھ آرام کرلو جب شام میں سورج کی گرمی کم ہوجائے گی تو آگے کا سفر کرلینا۔ اس نے کہا مالک بن دینار آپ کو پاؤں کے ذریعے آرام سے سفر طے کرلیتے ہیں۔ میں انچ انچ گھسٹ گھٹ کر سفر طے کرتا ہوں اس سے وقت زیادہ صرف ہوتا ہے۔ میں راستے میں رکنا نہیں چاہتا ایسا نہ ہو کہ ایام حج آجائیں اور میں راستے میں ہوں بس میں رکنا نہیں چاہتا بلکہ منزل پر پہنچنا چاہتا ہوں۔ میں نے اس نوجوان سے کہا آپ میرے گھر آرام کرلو میں سواری کا بندوبست کردیتا ہوں گھوڑے پر سفر کرلینا ایام حج سے پہلے پہنچ جاؤ گے۔ میری بات سن کر اس نوجوان نے میری طرف دیکھا اور کہا ملاک بن دینار میں تجھے بہت عقل مند سمجھتا تھا آپ نے کیسی بات کردی۔ میں نے پوچھا کیوں۔؟ نوجوان کہنے لگا مجھے یہ بتائیں اگر کوئی غلام اپنے مالک کو نراض کر بیٹھے اور پھر معافی کے لیے اپنے مالک کے سامنے جانے کا ارادہ کرے تو مجھے بتائیں پیدل جانا اچھا لگتا ہے یا سواریوں پر سوار ہوکر جانا اچھا لگتا ہے؟

میں سمجھ گیا کہ بندہ عاشق ہے اور ادب اس کے اندر ہے اس نوجوان نے دھوپ کی پرواہ نہ کی اور گھسٹ گھسٹ کر چلنا شروع کردیا۔ اللہ کی شان کہ اسی سال اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی حج کی توفیق عطا فرمادی۔ جب میں نے بڑے شیطان کو کنکریاں ماریں تو میں نے دیکھا لوگوں کا مجمع ہے جو کسی کو دیکھ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کون ہے۔؟

انہوں نے کہا ایک نوجوان ہے جو دعائیں مانگ رہا ہے اور سب اس کی دعائیں سن رہے ہیں۔ میں نے کہا مجھے بھی راستہ دو میں بھی اس نوجوان کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ جب میں نے اس نوجوان کو دیکھا تو یہ وہی نوجوان تھا جس سے میری ملاقات ہوئی تھی اور گھسٹ گھسٹ کر آگے بڑھ رہا تھا۔ اس نوجوان نے احرام باندھا ہوا تھا اور اللہ سے دعائیں مانگ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ:

''یا اللہ سب لوگ پیدل چلکے یا سواریوں پر بیٹھ کر آپ کے گھر کی طرف آئے، میرے مولیٰ میں تو گھسٹ گھسٹ کر آپ کے گھر کی طرف پہنچا، یا اللہ میں نے آپ کے گھر کا طواف بھی کیا، اللہ میں نے مزدلفہ، منی اور عرفات کا وقوف بھی کیا، یا اللہ اب میں نے اس شیطان کو کنکریاں مار کر اپنی نفرت کا ظہار بھی کیا، میرے مولیٰ اب قربانی کا وقت ہے، یہ سارے لوگ صاحب استطاعت ہیں یہ جائیں گے اور جا کر جانوروں کو قربان کرینگے، اللہ جی آپ جانتے ہیں میرے پاس احرام کے سوا کچھ نہیں، یا اللہ میں اپنی جان آپ کے نام پر قربان کرنا چاہتا ہوں، یا اللہ مجھ سے میری جان کا نذرانہ لے لیجئے۔''

یہ دعا کرتے ہوئے اس نوجوان نے کلمہ پڑھا اور اپنی جان رب کے حضور پیش کر دی۔

(مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی صاحب کے بیان سے اقتباس)



حج کی فضیلت

قال رسول اللہ ﷺ

الحج

''جو کوئی حج بیت اللہ کے ارادے سے روانہ ہوتا ہے۔ اس شخص کی سواری جتنے قدم چلتی ہے ہر قدم کے عوض اللہ تعالیٰ اس کا ایک گناہ مٹاتا ہے۔ اس کے لیے ایک نیکی لکھتا ہے۔ اور ایک درجہ جنت میں اس کے لیے بلند کرتا ہے۔ جب وہ شخص بیت اللہ شریف میں پہنچ جاتا ہے اور وہاں طواف بیت اللہ اور صفا و مروہ کی سعی کرتا ہے پھر بال منڈواتا یا کترواتا ہے تو گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہو جاتا ہے جیسا ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے دن تھا''۔

(ترغیب وترھیب، ص :224)

حج ادا نہ کرنے پر وعید

محمد شعیب صاحب

جو شخص حج کی استطاعت رکھتا ہو اور حج نہ کرے اس شخص کے لیے احادیث مبارکہ میں سخت وعید آئی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے پاس سفر حج کا ضروری سامان ہو اور اس کو سواری میسر ہو جو اسے بیت اللہ تک پہنچا سکے اور پھر وہ حج نہ کرے تو کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر، اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

''اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج فرض ہے ان لوگوں پر جو اس تک جانے کی استطاعت رکھتے ہوں۔'' (ترمذی شریف، حدیث نمبر: ۸۱۲)

حضرت مولانا محمد منظور احمد نعمانیؒ اپنی کتاب ''معارف الحدیث'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

حج فرض ہونے کے باوجود حج نہ کرنے والوں کو مشرکین کے بجائے یہود و نصاریٰ سے تشبیہ دینے کا راز یہ ہے کہ حج نہ کرنا یہود و نصاریٰ کی خصوصیت تھی البتہ مشرکین عرب حج کیا کرتے تھے لیکن وہ نماز نہیں پڑھتے تھے اس لیے ترک نماز کو مشرکین کا عمل بتایا گیا۔ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں

اَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

نماز قائم کرو اور ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ (سورۃ الروم: آیت نمبر ۳۱)

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والوں کے لیے یہ فرمایا گیا یہودی و نصرانی ہو کر مرنا گویا برابر ہے (معاذ اللہ) اس کے بعد حدیث میں سورۃ آل عمران کی اس آیت کا حوالہ دیا گیا اور اس کی سند پیش کی گئی ہے جس میں حج کی فرضیت کا بیان ہے۔

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا

اورلوگوں پراس گھر کا حج کرنا اللہ کا حق ہے جو شخص اس تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہواس کے لیے اس گھر کا حج کرنا فرض ہے۔(سورۃ آل عمران آیت نمبر ۹۷)

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ روای نے صرف حوالہ کے طور پر آیت کا ابتدائی حصہ پڑھنے پر اکتفاء کیا، حدیث میں مذکورہ وعید آیت کے جس حصہ سے نکلتی ہے وہ اس آیت کا اگلے والا حصہ ہے۔

کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ

اوراگرکوئی انکار کرے تو اللہ دنیا جہان کے تمام لوگوں سے بے نیاز ہے۔

اس آیت مبارکہ میں استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والوں کے رویہ کو''**مَنْ کَفَرَ**'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا اور''**اِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ**'' کی وعید سنائی گئی۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایسے ناشکرے اورنافرمان جو کچھ بھی کریں اور جس حال میں مریں اللہ کو ان کی کوئی پرواہ نہیں۔(معارف الحدیث ج ۴ ص ۱۹۳)

جو حضرات استطاعت کے باوجود حج ادا نہیں کررہے انہیں چاہئیے کہ اس فریضہ کو جلد سے جلد ادا کریں اور حدیث مبارکہ میں جو سخت وعید آئی ہے اس سے بچیں۔

دعا ہے اللہ پاک ہم سب کو بار بار سفر حرمین کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ثم آمین



نفس نفس خوشی گذارتے چلے گئے

مفتی ناصرالدین مظاہری صاحب

اے جوش الم کب تک گریہ! دل آج یہ ڈوبا جاتا ہے

موجیں ہیں کہ بڑھتی جاتی ہیں، طوفاں ہے کہ امڈا آتا ہے

میرے والد ماجد ۸ جنوری ۲۰۱۲ء کی صبح تقریباً آٹھ بجے کم وبیش دو ماہ علالت کے بعد کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

بدعت وخرافات سے نجات:

والد ماجد کا نام نامی نظام الدین تھا، آپ نے بدعت زدہ علاقہ لکھیم پور کھیری کے ظلمت کدہ ''مرزاپور'' میں تقریباً ۸۰ سال پہلے آنکھیں کھولیں، اس وقت پورا علاقہ کفر وضلالت اور بدعت وگمراہی کی لپیٹ میں تھا، خود آپ کے آباء واجداد بدعت کے ہر موقع پر نام ونمود کا فخریہ اظہار اور تعزیہ داری کا مکمل اہتمام کرتے تھے، ماحول کے اثرات سے آپ بھی محفوظ نہ رہے اور آپ نے بھی اپنی نوجوانی میں ان بدعات ورسومات میں خوب خوب حصہ لیا...... اسی زمانہ میں علاقہ میں مولوی محمد رضا نامی ایک بزرگ کو اللہ تعالیٰ نے علماء دیوبند کی صحبت میں بیٹھنے سے دینی فہم عطا کیا اور انہوں نے بدعت وضلالت کے اس ظلمت کدہ کو رشد وہدایت کے آفتاب عالم تاب سے روشن کرنے کی کوششیں شروع کیں۔ دھیرے دھیرے بدعت کے بادل چھٹنے لگے اور سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس خاندان کو ان بدعات سے تائب ہونے کی توفیق بخشی اس میں میرے والد ماجد کا خانوادہ بھی تھا۔

علاقہ کا حال:

آپ کے زمانہ میں سیکڑوں کلومیٹر تک کہیں بھی کوئی دینی مدرسہ نہ تھا اور نہ ہی آج کل کی طرح پختہ سڑکیں تھیں، نہ ہی نقل وحمل کے اسباب وذرائع تھے اور نہ ہی آمد ورفت کی سہولتیں مہیا تھیں، نہ تو طلبہ تھے اور نہ ہی اساتذہ، نہ ہی کتابیں، ایسے وقت میں مولوی محمد رضا صاحبؒ نے للہ فی اللہ جن نوجوانوں کو دینی تعلیم کی طرف راغب کیا ان میں میرے والد ماجدؒ کا نام نامی اسم گرامی بھی شامل ہے۔

مولوی محمد رضاؒ اپنے وقت کے ولی اور علاقہ کے پہلے ہر دلعزیز بزرگ تھے، اور اپنی گھوڑی پر بیٹھ کر قرب وجوار میں جا جا کر مسلمانوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے تھے، اس کی پاداش میں انھیں زدوکوب بھی کیا گیا، لہولہان بھی ہوئے اور ہر طرح کی سختیاں بھی برداشت کیں اور پھر چشم فلک نے دیکھا کہ ان ہی کی محنتوں کا ثمرہ اور نتیجہ ہے کہ آج خود ان کے گاؤں میں پچاس سے زائد علما اور حفاظ دین اسلام کا نام روشن کر رہے ہیں۔

نیک صحبت کا نتیجہ:

میرے والد ماجدؒ زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے البتہ علماء کی صحبتوں میں بیٹھنے کی برکت تھی کہ انھیں سیکڑوں آیات اور مسنون دعائیں یاد تھیں، کس موقع پر کون سی آیت اور دعا پڑھی جائے گی اس کا ملکہ حاصل تھا، شاعر نہیں تھے لیکن شعر سن کر بتادیتے تھے کہ یہ شعر صحیح ہے یا غلط، حالانکہ خود اس کی تصحیح پر قادر نہیں تھے، آپ کی اردو دانی بھی بالکل ابتدائی تھی اسی لئے بارہا مجھے تاکیداً فرمایا کرتے کہ تمہاری تحریروں میں مشکل الفاظ میری سمجھ سے بالاتر ہوتے ہیں۔

صرف صغیر اور صرف کبیر کی گردانیں احقر نے والد صاحبؒ ہی سے سن سن کر اس وقت یاد کر لی تھیں جب ناظرہ پڑھنا شروع کیا تھا، والد صاحبؒ کو دینی تعلیم سے نہایت دلچسپی تھی اور انگریزی تعلیم سے شاید بیر تھا اسی وجہ سے اپنی کسی بھی اولاد کو نہ تو انگریزی پڑھنے کی طرف راغب کیا اور نہ ہی کبھی اسکولوں میں داخل کرانے کی کوشش کی۔

بھلائی کے کاموں میں دلچسپی:

چندہ دینے اور خیر کے کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے، کبھی بھی کسی مدرسہ کے سفیر کو مایوس نہیں کیا اور ہمیشہ چندہ دے کر خوشی کا اظہار فرماتے تھے اور کبھی کبھی فرط مسرت میں فرماتے کہ چندہ کے نام سے جو بھی رقم یا غلہ دیا جاتا ہے وہی اصل ذخیرہ ہے۔

مسجد کی تولیت:

مساجد کے سنگ بنیاد کے موقع پر قبلہ کا رخ اور صحیح سمت کیا ہوگی؟ اس کا بھی ملکہ تھا اور قرب وجوار میں متعدد مساجد کے سنگ بنیاد کے موقع پر تشریف لے جاتے تھے۔ تاحیات گاؤں کی مسجد کے متولی رہے لیکن کبھی بھی کسی کو شکوہ کا موقع نہ دیا، آپ کی امانت داری علاقہ میں مشہور تھی، متعدد لوگوں کی امانتیں آپ کے پاس اتنی رازداری کے ساتھ جمع رہتی تھیں کہ گھر والوں کو بھی پتہ نہ چلتا تھا۔

زراعت میں مہارت:

آپ کا کاروبار زراعت تھا اور اس فن میں بھی اللہ تعالیٰ نے بڑی مہارت عطا فرمائی تھی، پورے گاؤں کے لوگ بلاتفریق مذہب وملت آپ کا ادب واحترام کرتے اور آپ کے مفید مشوروں سے فائدہ اٹھاتے تھے،

مشورہ دینے میں بھی والد صاحب بے مثال تھے، خود میں نے دیکھا کہ آپ کے حاسدین اور معاندین بھی بوقت ضرورت آپ کے پاس پہنچتے اور مشورہ کے خواہاں ہوتے اور والد صاحب المستشار مؤتمن کے مدنظر صحیح اور بہتر مشورہ سے نوازتے۔ اختلاف کرنے کی عادت نہیں تھی، جب اور جہاں مناسب سمجھتے مشورہ دیدیتے، آگے اپنی رائے کے تسلیم کر لینے پر اصرار کبھی نہیں کرتے تھے۔

حسن اخلاق:

آپ کی زندگی کا سب سے اہم پہلو آپ کا اخلاق حسنہ تھا، چھوٹا ہو یا بڑا، ہر شخص سے آپ غایت شفقت سے گفتگو فرماتے تھے، بات کو طول دینا یا خودرائی کا شکار ہونا معیوب تصور فرماتے تھے اسی لئے آپ کو عجب اور گھمنڈ والے لوگ پسند نہیں تھے، سلام میں پہل آپ کی عادت تھی، ملنساری اور تواضع آپ کی فطرت تھی، خندہ پیشانی کے ساتھ گفتگو کرنا آپ کی طبیعت ثانیہ اور جھگڑے کی جگہوں سے دور رہنا آپ کی نصیحت تھی، پوری زندگی میں کبھی کسی کو سخت اور سست نہیں کہا، دشمنوں کی ہدایت کی دعا کرتے اور ہم لوگوں کو ہمیشہ ایک نصیحت فرماتے کہ

''دشمنوں سے مقابلہ مت کرو، اگر تمہارا دشمن کوئی بھی ناجائز کام کر رہا ہے تو اس کو پہلے تو سمجھاؤ اور بعد میں پورا معاملہ اللہ کے سپرد کردو، صبر سے کام لو کیونکہ میں نے صبر سے زیادہ آنچ کسی چیز میں نہیں دیکھی، مجھے اللہ تعالیٰ نے جو عزت بخشی ہے اس میں بھی اسی صبر کو دخل ہے کیونکہ میں نے کبھی بھی پیمانۂ صبر کو لبریز نہیں ہونے دیا ہے جس کا نتیجہ تم لوگ دیکھ رہے ہو''۔

کبھی بھی کسی سے ہاتھا پائی کی نوبت نہیں آئی اور نہ ہی اس مزاج کے لوگوں کو پسند کیا، ہمیشہ ایسے جھگڑالو لوگوں سے دور رہنے کی نصیحت فرماتے اور کہتے کہ جھگڑالو لوگ بہت جلد معاشرہ میں اپنا وقار کھودیتے ہیں۔

قوت فیصلہ:

والد ماجدؒ قرب وجوار میں فیصلوں اور میٹنگوں میں بھی بلائے جاتے اور آپ کی رائے ہی حرف آخر اور آپ کا قول ہی قول فیصل ہوتا۔ آپ حکیم تو نہیں تھے لیکن جڑی بوٹیوں اور ان کے خواص کا اچھا خاصا علم رکھتے تھے، کس مرض میں کون سی جڑی بوٹی مفید رہے گی اس کا علم رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ قرب وجوار کے ہندو اور مسلمان سبھی اس سلسلہ میں بھی مشورہ کے لئے آتے رہتے تھے۔

آپ اپنی تمام اولاد کو زیور علم سے آراستہ کرنے کا خواب دیکھتے رہے اور اس سلسلہ میں ممکنہ کوششیں بھی فرمائیں لیکن باضابطہ اور باقاعدہ فراغت اور فضیلت کے مقام تک پہنچنے کی سعادت راقم الحروف کے حصہ میں آئی، میرے والد صاحبؒ نے بڑی عسرت اور تنگدستی میں مجھے تعلیم دلوائی، کبھی کبھی سہارنپور آتے وقت اگر نقد رقم نہ ہوتی تو فوراً غلہ فروخت کر کے روپیوں کا نظم فرماتے۔

علم دین سے محبت:

1988ء میں مدرسہ امداد العلوم زید پور میں میرا داخلہ کروانے کے لئے بہ نفس نفیس تشریف لے گئے، اس وقت احقر صرف گیارہ سال کا تھا، والد صاحب جب واپس گھر جانے لگے تو میں رو پڑا، والد صاحبؒ نے اپنے چہرے پر بشاشت طاری کر کے میری ہمت بندھائی اور فرمایا کہ دو ماہ کی بات ہے قربانی میں تعطیل ہوگی تو گھر آ جاؤ گے، یہ کہتے کہتے خود والد صاحب کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

کیا بتاؤں اور کیسے بتاؤں کہ اس وقت میرے والد صاحبؒ نے کتنی مشقتیں میری تعلیم کی خاطر برداشت کیں، میرے گاؤں سے تقریباً ۱۵ر کلومیٹر کے فاصلہ پر ''سسیا چوراہا'' نامی ایک جگہ ہے جہاں سے بسیں ملتی تھیں، والد صاحبؒ مجھے اپنی سائیکل کے اگلے حصے پر بٹھا لیتے اور سائیکل کے پچھلے حصہ پر میرا صندوق رکھ لیتے (اس وقت اچھا بیگ یا معیاری سوٹ کیس خریدنا میرے تصور سے بالاتر تھا) اور اس طرح والد صاحب ہر بار ۱۵ر کلومیٹر کا یہ سفر سائیکل سے طے فرماتے۔

اسی طرح میں جب بھی وطن سے مظاہر علوم آتا تو والد صاحبؒ خندہ پیشانی سے الوداع کہتے، والدہ سے بھی کہہ رکھا تھا کہ جاتے وقت اپنی آنکھوں میں آنسو مت آنے دینا، اسی طرح میرے سفر کے دوران مسلسل دعا فرماتے کہ سفر بخیر وخوبی مکمل ہو، تاکید بھی فرماتے کہ پہنچتے ہی فون پر مطلع کرنا۔

ترجمہ قرآن کا مطالعہ:

آپ صوم وصلوۃ اور اوراد ووظائف کے تو پابند تھے ہی فجر کے بعد تلاوت قرآن کا معمول میں نے زندگی بھر دیکھا اور اس معمول میں کوئی بھی خانگی یا خارجی پروگرام کبھی بھی حائل نہ ہوا، اسی طرح حضرت شیخ الہندؒ کا ترجمہ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثانی کی تفسیر کا معمول بعد نماز عصر تا مغرب کم وبیش بیس سال سے تھا، آپ کے ہم عمر اور حضرت مولوی محمد رضاؒ کے صاحب زادے محترم مولوی ضیاء اللہ صاحب مدظلہ ایک دن بعد نماز ظہر مسجد ہی میں والد صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے رونے لگے اور پھر فرمایا کہ میری بینائی کمزور ہے اس لئے تمہارے والد صاحب عصر کے بعد پہلے تو قرآن کریم کی آیت پڑھتے پھر ترجمہ شیخ الہندؒ پڑھ کر سناتے اور پھر اس کی تفسیر اور تشریح جو اس کے حاشیہ میں ہے سناتے، اس طرح ہم دونوں نے مکمل قرآن اس کے ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ بالاستیعاب تین بار ختم کیا ہے۔

دینداری:

سادگی کا یہ عالم تھا کہ تقریباً ۱۵ر سال سے گھر میں فون ہونے کے باوجود کبھی بھی از خود فون نمبر نہیں ملا پاتے تھے۔

آپ کا لباس، بودوباش اور کھانا پینا سب کچھ سادگی سے عبارت تھا۔

ایک نصیحت خاص کر مجھے فرماتے تھے کہ

''کوشش یہ کرنا کہ مدرسہ تمہیں اپنے لئے بار محسوس نہ کرے اور تم مدرسہ کی جو بھی خدمت کرو اس کا صلہ دنیا میں پانے کی کوشش مت کرنا، مدرسہ کے مال کو مال غنیمت مت سمجھنا اور ذاتی ضروریات کے لئے مدرسہ کو کبھی بھی زیر بار مت کرنا اور کوئی بھی کام جس سے مدرسہ کے وقار پر حرف آتا ہو مت کرنا''۔

شکار سے دلچسپی:

شکار کھیلنا آپ کا خصوصی ذوق تھا چاہے مچھلیوں کا شکار ہو یا چڑیوں کا، چاہے نیل گائے کا شکار ہو یا ہرن کا اس سلسلہ میں جب بھی شکار کی نوبت آتی تو بڑھاپے کے باوجود جوانوں کا سا عزم اور جوش نظر آتا۔

''خفقان قلب''

''خفقان قلب'' جو ایک مرض ہے شروع ہی سے آپ اس کا شکار رہے، انتقال سے تقریباً دو ماہ پہلے کمزوری بڑھ گئی اور پھر چلنے پھرنے سے ہی معذور ہو گئے لیکن آپ کا دل، آپ کی زبان، آپ کا دماغ اور آپ کی آنکھیں اخیر لمحہ تک پورے طور پر کام کرتی رہیں۔

کبھی اپنے پوتے حافظ محمد لئیق سلمہ کو بلاتے اور حکم دیتے کہ یسین شریف پڑھ کر سناؤ، کبھی اپنی پوتیوں کو بلاتے اور یسین شریف پڑھنے کا حکم دیتے، فارغ وقت میں خود ہی ہمہ وقت کلمہ طیبہ اور دعاؤں کا ورد رکھتے، اخیر عمر میں کوئی بیماری نہیں تھی، نہ ہی کوئی تکلیف تھی محض کمزوری تھی، آپ کی آخری تمنا جو پوری نہ ہو سکی یہ تھی کہ میں کچھ دن اور مسجد میں جانے کے لائق ہو جاؤں!

غیبی بشارت:

انتقال سے تقریباً تین ہفتہ پہلے غنودگی کے عالم میں آپ نے کچھ ہرے بھرے خوبصورت لہلہاتے ہوتے باغات دیکھے جس میں طرح طرح کے پھل اور پھول نظر آرہے تھے پھر آنکھ کھل گئی، میری بہن آپ کے سرہانے بیٹھی ہوئی تھیں، والد صاحب انھیں دیکھ کر رونے لگے، بہن بھی ابا جی کو روتا دیکھ کر رونے لگی، تو فرمایا کہ ابھی ابھی میں نے خواب میں خوبصورت باغات دیکھے ہیں جس میں طرح طرح کے پھل اور پھول ہیں، اور میرے سامنے جو دیوار ہے اس پر خوبصورت نقش و نگار بنے ہوئے ہیں، اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب زیادہ دن کی زندگی نہیں ہے۔

سفر تمام ہوا نیند آ جاتی ہے:

کلمۂ طیبہ کا ورد تو مستقل تھا لیکن جوں جوں وقت موعود قریب آتا جا رہا تھا، اس میں اور کثرت ہوتی جا رہی تھی، آپ بلا کسی کی تلقین وہدایت کے خود ہی کلمۂ طیبہ پڑھتے رہے اور دعا کرتے رہے کہ یا اللہ! میری اولاد کو ظالموں کے ظلم سے محفوظ رکھنا، انھیں رزق حلال عطا فرما! انتقال سے چند ساعت قبل پانی پیش کیا گیا تو پینے سے منع فرما دیا لیکن جب بہن نے بتلایا کہ یہ زمزم کا پانی ہے تو فوراً پانی پینے کے لئے تیار ہو گئے اور منہ کھول دیا، پانی پلایا جانے لگا، ایک صاحب سرہانے سورۂ یٰسین شریف پڑھنے لگے، اِدھر پانی کا سلسلہ ختم ہوا، اُدھر سورۂ یٰسین مکمل ہوئی اور والد صاحبؒ نے پھر کلمہ پڑھا اور صبح آٹھ بجے کے بعد روح مبارک قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

نفس نفس خوشی خوشی گذارتے چلے گئے
ترے مریض غم تجھے پکارتے چلے گئے

(آپ سبھی حضرات سے درخواست ہے کہ میرے ابا جی کے لئے دعائے مغفرت ضرور فرمائیں)



والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک جنّت میں داخلے کا سبب

”اور ہم نے انسان کو اپنے والدین سے اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی ماں نے بڑی مشقت سے اُسے (پیٹ میں) اُٹھائے رکھا اور بڑی مشقت سے اُس کو جنا اور اس کو اُٹھائے رکھنے اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری توانائی کو پہنچ گیا اور چالیس سال کی عمر تک پہنچا تو وہ کہتا ہے:
”یارب! مجھے توفیق دیجئے کہ میں آپ کی اُس نعمت کا شکر ادا کروں جو آپ نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی اور ایسے نیک عمل کروں جن سے آپ راضی ہو جائیں اور میرے لیے میری اولاد میں صلاح (وتقویٰ) دے دیجیے۔ میں آپ کے حضور توبہ کرتا ہوں اور میں فرماں برداروں میں شامل ہوں۔“
یہ وہ لوگ ہیں جن سے ہم ان کے بہترین اعمال قبول کریں گے اور ان کی خطاؤں سے درگذر کریں گے (جس کے نتیجے میں) وہ جنت والوں میں شامل ہوں گے، اُس سچے وعدے کی بدولت جو اُن سے کیا جاتا تھا“ (سورۃ الاحقاف: 15،16)

افکارِ قاسمی

کلام: راقم صاحب

یہ پاک وہند لوگوں کے دل کی پکار ہے — اس میں عظیم لوگوں کا ہوتا شمار ہے

یہ مکتبِ عظیم پہ رب کا حصار ہے — اس کا ہر ایک رکن تو مثلِ سنار ہے

ہر اک سخن کے لوگ سخن دان ہیں یہاں — دنیا کے سارے یکجاں گلستن ہیں یہاں

شاعر ادیب اور ثنا خوان ہیں یہاں — قصبہ قبیلہ اور ہے یکجان ہیں یہاں

اس انتظامیہ میں ہیں مولنا قاسمی — عامر ہیں اور زنیرہ ہیں اور ان میں ہیں غنی

ان میں عظیم مفتی ہیں ناصر مظاہری — اور ساتھ ان کے مولنا حسّن ہیں قادری

اس گلستاں میں مولا بہاریں رہیں سدا — اس کے ہر ایک پھول کی آئے مہک جدا

دینِ مبین کی اسے ترویج گاہ بنا

کر لے قبول مولا تو راقم کی یہ دعا

جنت کا تعارف

مولانا محمد ضیاء الرحمن صاحب

جنت کا تعارف قرآن مجید کی روشنی میں

جنت کی چوڑائی زمین وآسمان کی وسعت کے برابر ہے (سورۃ آل عمران: ۱۳۳)

جنت کے پھل اور بہاریں دائمی ہوں گی (سورۃ الرعد: ۳۰)

جنت میں بھوک اور پیاس نہیں ہوگی (سورۃ طہٰ: ۱۱۸)

اہلِ جنت سونے کے کنگن اور سبز ریشم کے لباس پہن کر تکیہ دار مسندوں پر مزے کریں گے (سورۃ کہف: ۳۱)

اہلِ جنت عقل پر نہ اثر ہونے والی سفید رنگ کی لذیذ شراب پئیں گے (سورۃ صافات: ۴۵۔۴۶)

اہلِ جنت کے لئے ہیروں اور موتیوں جیسی شرمیلی نگاہوں والی خوبصورت بیویاں ہوں گی جنہیں اس سے پہلے کسی انسان یا جن نے چھوا تک نہیں ہوگا۔ (سورۃ الرحمان:: ۵۶۔۵۸)

جنت کا تعارف احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

جنت کے سو (100) درجات ہیں ہر درجہ کے درمیان زمین وآسمان کے برابر فاصلہ ہے۔ (ترمذی)

جنت کے محلات سونے اور چاندی کی اینٹوں سے بنے ہیں اس کا گارا تیز خوشبو والا مِسک ہے اس کے سنگریزے موتی اور یاقوت کے ہیں اور اس کی مٹی زعفران کی ہے۔ (ترمذی)

جنت میں ایک درخت کا سایہ اس قدر طویل ہوگا کہ اس کے سائے میں ایک (گھوڑ) سوار سو (100) سال تک چلتا رہے تب بھی سایہ ختم نہیں ہوگا۔ (بخاری)

جنت میں کمان برابر جگہ ساری دنیا اور دنیا بھر کی تمام نعمتوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ (بخاری)

جنت کے پھلوں کا ایک خوشہ زمین وآسمان کی ساری کی ساری مخلوق کے کھانے سے بھی ختم نہیں ہوگا۔ (مسند احمد)

اللّٰھم انا نسئلک الجنۃ ونعوذبک من النار

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کن چیزوں سے پناہ مانگی

مولانا آصف عثمانی صاحب

جن چیزوں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کی پناہ مانگی، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔قرض سے۔(بخاری:۶۳۶۸)

۲۔بُرے دوست سے۔(طبرانی کبیر:۸۱۰)

۳۔بے بسی سے۔(مسلم:۲۷۲۲)

۴۔جہنم کے عذاب سے۔(بخاری:۶۳۶۸)

۵۔قبر کے عذاب سے۔(ترمذی:۳۵۰۳)

۶۔بُرے خاتمے سے۔(بخاری:۶۶۱۶)

۷۔بزدلی سے۔(مسلم:۲۷۲۲)

۸۔کنجوسی سے۔(مسلم:۲۷۲۲)

۹۔غم سے۔(ترمذی:۳۵۰۳)

۱۰۔مالداری کے شر سے۔(مسلم:۲۶۰۷)

۱۱۔فقر کے شر سے۔(مسلم:۲۶۹۷)

۱۲۔زیادہ بڑھاپے سے۔(بخاری:۶۳۶۸)

۱۳۔جہنم کی آزمائش سے۔(بخاری:۶۳۶۸)

۱۴۔قبر کی آزمائش سے۔(بخاری:۶۳۶۸)

۱۵۔شیطان مردود سے۔(بخاری:۶۱۱۵)

۱۶۔محتاجی کی آزمائش سے۔(بخاری:۶۳۶۸)

۱۷۔دجال کے فتنے سے۔(بخاری:۶۳۶۸)

۱۸۔زندگی اور موت کے فتنے سے۔(بخاری:۶۳۶۷)

۱۹۔نعمت کے زائل ہونے سے۔(مسلم:۲۷۳۹)

۲۰۔اللہ کی ناراضگی کے تمام کاموں سے۔(مسلم:۲۷۳۹)

۲۱۔عافیت کے پلٹ جانے سے۔(مسلم:۲۷۳۹)

۲۲۔ظلم کرنے اور ظلم ہونے پر۔(نسائی:۵۴۶۰)

۲۳۔ذلت سے۔(نسائی:۵۴۶۰)

۲۴۔اس علم سے جو فائدہ نہ دے۔(ابن ماجہ:۳۸۳۷)

۲۵۔اس دعا سے جو سنی نہ جائے۔(ابن ماجہ:۳۸۳۷)

۲۶۔اس دل سے جو ڈرے نہیں۔(ابن ماجہ:۳۸۳۷)

۲۷۔اس نفس سے جو سیر نہ ہو۔(ابن ماجہ:۳۸۳۷)

۲۸۔برے اخلاق سے۔(حاکم:۱۹۴۹)

۲۹۔برے اعمال سے۔(حاکم:۱۹۴۹)

۳۰۔بری خواہشات سے۔(حاکم:۱۹۴۹)

۳۱۔بری بیماریوں سے۔(حاکم:۱۹۴۹)

۳۲۔آزمائش کی مشقت سے۔(بخاری:۶۶۱۶)

۳۳۔سماعت کے شر سے۔(ابوداؤد:۱۵۵۱)

۳۴۔بصارت کے شر سے۔(ابوداؤد:۱۵۵۱)

۳۵۔زبان کے شر سے۔(ابوداؤد:۱۵۵۱)

۳۶۔دل کے شر سے۔(ابوداؤد:۱۵۵۱)

۳۷۔بری خواہش کے شر سے۔(ابوداؤد:۱۵۵۱)

۳۸۔بدبختی لاحق ہونے سے۔(بخاری:۶۶۱۶)

۳۹۔دشمن کی خوشی سے۔(بخاری:۶۶۱۶)

۴۰۔اونچی جگہ سے گرنے سے۔(نسائی:۵۵۳۳)

۴۱۔کسی چیز کے نیچے آنے سے۔(نسائی:۵۵۳۳)

۴۲۔جلنے سے۔(نسائی:۵۵۳۳)

۴۳۔ڈوبنے سے۔(نسائی:۵۵۳۳)

۴۴۔موت کے وقت شیطان کے بہکاوے سے۔(نسائی:۵۵۳۳)

۴۵۔برے دن سے۔(طبرانی کبیر:۸۱۰)

۴۶۔بری رات سے۔(طبرانی کبیر:۸۱۰)

۴۷۔برے لمحات سے۔(طبرانی کبیر:۸۱۰)

۴۸۔دشمن کے غلبہ سے۔(نسائی:۵۴۷۷)

۴۹۔ہراس قول وعمل سے جو جہنم سے قریب کرے۔(ابویعلی:۴۴۷۳)

۵۰۔کفر سے۔(ابویعلی:۱۳۳۰)

۵۱۔نفاق سے۔(حاکم:۱۹۴۴)

۵۲۔شہرت سے۔(حاکم:۱۹۴۴)

۵۳۔ریاکاری سے۔(حاکم:۱۹۴۴)

دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب ہراس چیز سے پناہ نصیب فرمائے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پناہ مانگی ہے۔آمین ثم آمین

☆☆☆☆

مکڑی کی فطرت

حافظ محمد قاسم اسامہ صاحب

ایک تحقیق کے مطابق مادہ مکڑی بچے دینے کے بعد نر مکڑی (اپنے بچوں کے باپ) کو قتل کر کے گھر سے باہر پھینک دیتی ہے۔ پھر جب اولاد بڑی ہو جاتی ہے تو اپنی ماں کو قتل کر کے گھر سے باہر پھینک دیتی ہے۔

کتنا عجیب وغریب گھرانہ اور یقیناً بدترین گھرانہ ہے۔

قرآن مجید کی ایک سورۃ ہے جس کا نام "العنکبوت'' ہے۔ عنکبوت کو اردو میں "مکڑی" کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے فرمایا ہے

''سب سے بودا یا کمزور گھر مکڑی کا ہے۔''

قرآن کریم کا معجزہ دیکھیں کہ ایک ہی جملے میں اس گھرانے کی پوری کہانی بیان کر دی کہ بے شک گھروں میں سے سب سے کمزور گھر عنکبوت (مکڑی) کا ہے اگر یہ (انسان) علم رکھتے۔

انسان مکڑی کے گھر کی ظاہری کمزوری کو تو جانتے تھے، مگر اس کے گھر کی معنوی کمزوری یعنی دشمنی اور خانہ جنگی سے بے خبر تھے۔

اب جدید سائنس کی وجہ سے اس کمزوری سے بھی واقف ہو گئے اس لیے اللہ نے فرمایا اگر یہ علم رکھتے یعنی مکڑی کی گھریلو کمزوریوں اور دشمنی سے واقف ہوتے۔

اس سب کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ایک پوری سورۃ کا نام اس خصلت والے کیڑے کے نام پر رکھا حالانکہ اس سورۃ کے شروع سے آخر تک گفتگو فتنوں کے بارے میں ہے۔

سورۃ کی ابتداء اللہ پاک کچھ اس طرح فرماتے ہیں:

"کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اس بات پر چھوٹ جائیں گے کہ انہوں نے کہا کہ ہم نے ایمان لایا ہے اور ان کو آزمایا نہیں جائے گا۔ لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں۔ جو کہتے تو ہیں کہ ہم نے ایمان لایا ہے

مگر جب ان کو اللہ کی راہ میں اذیت دی جاتی ہے، تو لوگوں کی آزمائش کو اللہ کے عذاب کی طرح سمجھتے ہیں۔''

ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ مکڑی کا فتنوں اور آزمائشوں سے کیا تعلق ہے؟

درحقیقت، فتنے، سازشیں اور آزمائشیں بھی مکڑی کی جال کی طرح پیچیدہ ہیں اور انسان کے لیے ان کے درمیان تمیز کرنا ان کو بے نقاب کرنا آسان نہیں ہوتا مگر اللہ مدد کرے تو یہ کچھ بھی نہیں ہوتے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو فتنوں، سازشوں، اور آزمائشوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین



حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''انسان کے گھر والے، مال و دولت، اولاد اور پڑوسی سب فتنہ (کی چیزیں) ہیں۔ اور نماز، روزہ، صدقہ اور اچھی بات کا لوگوں کو حکم کرنا اور بُری باتوں سے روکنا (امر بالمعروف ونهي عن المنكر) ان فتنوں سے بچاؤ کا ذریعہ ہیں۔''

(صحيح بخاري: 525 بَاب الصَّلَاةُ كَفَّارَةٌ)



روزمرّہ فتنوں سے بچاؤ کی تدابیر

امن سے جینا کمال ہے

محمد عبداللہ صاحب

’’ابوسعید ابوالخیر سے کسی نے کہا: ’’کیا کمال کا انسان ہوگا وہ جو ہوا میں اُڑ سکے۔‘‘

ابوسعید نے جواب دیا: ’’یہ کونسی بڑی بات ہے، یہ کام تو مکّھی بھی کر سکتی ہے۔‘‘

’’اور اگر کوئی شخص پانی پر چل سکے اُس کے بارے میں آپ کا کیا فرمانا ہے؟

’’یہ بھی کوئی خاص بات نہیں ہے کیونکہ لکڑی کا ٹکڑا بھی سطحِ آب پر تیر سکتا ہے۔‘‘

’’تو پھر آپ کے خیال میں کمال کیا ہے؟‘‘

’’میری نظر میں کمال یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان رہو اور کسی کو تمہاری زبان سے تکلیف نہ پہنچے۔

جھوٹ کبھی نہ کہو، کسی کا تمسخر مت اُڑاؤ۔ کسی کی ذات سے کوئی ناجائز فائدہ مت اُٹھاؤ، یہ کمال ہیں۔

یہ ضروری نہیں کہ کسی کی ناجائز بات یا عادت کو برداشت کیا جائے، یہ کافی ہے کہ کسی کے بارے میں بن جانے کوئی رائے قائم نہ کریں۔

یہ لازم نہیں ہے کہ ہم ایک دوسرے کو خوش کرنے کی کوشش کریں، یہ کافی ہے کہ ایک دوسرے کو تکلیف نہ پہنچائیں۔

یہ ضروری نہیں کہ ھم دوسروں کی اصلاح کریں، یہ کافی ھے کہ ھماری نگاہ اپنے عیوب پر رہو۔

حتّٰی کہ یہ بھی ضروری نہیں کہ ہم ایک دوسرے سے محبّت کریں، اتنا کافی ہے کہ ایک دوسرے کے دشمن نہ ہوں۔

دوسروں کے ساتھ امن کے ساتھ جینا کمال ہے۔‘‘ (حکایاتِ فارسی)

مترادف القرآن

محترمہ طاہرہ فاطمہ صاحبہ

قرآن مجید میں بارش کے لیے درج ذیل الفاظ آئے ہیں۔

بارش کے لیے مطر، مآء، طلٌّ، وَدْق، غَیث، مِدرار، غدق، وابل، صَیِّب کے الفاظ آئے ہیں۔

۱: مطر

بارش کے لیے عام لفظ ہے۔ بارش فائدہ مند ہو یا نقصان دہ۔ پانی برسے یا کوئی اور چیز سب کے لیے مطر کا لفظ استعمال ہو سکتا ہے اور امطر بمعنی بارش برسانا۔ ارشاد باری تعالی ہے

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ

اور ہم نے ان پر (پتھروں کی) بارش کر دی سو آپ دیکھئے کہ مجرموں کا انجام کیسا ہو (سورۃ الاعراف آیت ۸۴)

۲: مَآء

لفظی معنی پانی ہے۔ مجازا بارش کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مثلا

وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ

اور آسمانوں کی طرف سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعے تمہارے کھانے کے لئے (انواع و اقسام کے) پھل پیدا کئے، (سورۃ البقرۃ آیت ۲۲)

۳: طَلٌّ

بالکل خفیف اور کمزور سی بارش کے لیے، شبنم اور پھوہار دونوں کے لیے طل کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ

اور جو لوگ اپنے مال اللہ کی رضا حاصل کرنے اور اپنے آپ کو (ایمان واطاعت پر) مضبوط کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایک ایسے باغ کی سی ہے جو اونچی سطح پر ہو اس پر زوردار بارش ہو تو وہ دوگنا پھل لائے، اور اگر اسے زوردار بارش نہ ملے تو (اسے) شبنم (یا ہلکی سی پھوار) بھی کافی ہو، اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۶۵)

۴: وَدْق

جو بارش لگاتار ہوتی رہے اسے ودق کہتے ہیں۔ ایسی بارش عموماً آہستہ آہستہ اور بہت دیر تک جاری رہتی ہے۔ قرآن میں آتا ہے

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِىْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی بادل کو (پہلے) آہستہ آہستہ چلاتا ہے پھر اس (کے مختلف ٹکڑوں) کو آپس میں ملا دیتا ہے پھر اسے تہ بہ تہ بنا دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے درمیان خالی جگہوں سے بارش نکل کر برستی (سورۃ النور آیت ۴۳)

۵: غَيْث

وہ بارش جو ضرورت کے وقت ہو اور ضرورت کے مطابق ہو وہ غیث ہے۔ جیسے کہ ارشاد باری تعالی ہے

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا وَفِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ

جان لو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا ہے اور ظاہری آرائش ہے اور آپس میں فخر اور خودستائی ہے اور ایک دوسرے پر مال واولاد میں زیادتی کی طلب ہے، اس کی مثال بارش کی سی ہے کہ جس کی پیداوار کسانوں کو بھلی لگتی ہے پھر وہ خشک ہو جاتی ہے پھر تم اسے پک کر زرد ہوتا دیکھتے ہو پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے، اور آخرت میں (نافرمانوں کے لئے) سخت عذاب ہے اور (فرمانبرداروں کے لئے) اللہ کی جانب سے مغفرت اور عظیم خوشنودی ہے، اور دنیا کی زندگی دھوکے کی پونجی کے سوا کچھ نہیں ہے (سورۃ الحدید ۲۰)

۶: مِدْرَار

الدر دودھ اور دودھ کی فراوانی کو کہتے ہیں اور درود بہت زیادہ دودھ دینے والی اونٹنی کو کہتے ہیں۔ اسے سے مدرار مشتق ہے۔ عین مدرار کے معنی بہت آنسو بہانے والی آنکھ اور مدرار کے معنی بہت برسنے والی بارش ہے (منجد)۔ یعنی مدرار وہ بارش ہے جس میں پانی کی فراوانی ہو۔

وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ

اور اے لوگو! تم اپنے رب سے (گناہوں کی) بخشش مانگو پھر اس کی جناب میں (صدقِ دل سے) رجوع کرو، وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش بھیجے گا اور تمہاری قوت پر قوت بڑھائے گا اور تم مجرم بنتے ہوئے اس سے روگردانی نہ کرنا (سورۃ ھود آیت ۵۲)

۷: غَدَق

ابن الفارس کے مطابق غدق وہ بارش ہے جس میں پانی کی بھی فراوانی ہو اور سودمند بھی ہو۔ اور غدقہ بمعنی شریں چشمہ اور غدق المکان بمعنی جگہ کا بارش سے تر ہو جانا ہے۔ سرسبز ہو جانا اور غدق بمعنی سرسبز جگہ (منجد) گویا غدق ایسی بارش کو کہتے ہیں جو سرسبزی کا باعث ہو۔ ارشاد باری تعالی ہے

وَأَنْ لَوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَاهُمْ مَاءً غَدَقًا

اور یہ (وحی بھی میرے پاس آئی ہے) کہ اگر وہ طریقت (راہِ حق، طریقِ ذِکرِ اِلٰہی) پر قائم رہتے تو ہم انہیں بہت سے پانی کے ساتھ سیراب کرتے (سورۃ الجن آیت ۱۶)

۸: صَيِّب

ایسی زوردار بارش ہے جس میں بادل بھی خوب گرج رہے ہوں اور بجلی بھی چمک رہی ہو۔ اور ابن الفارس کے نزدیک ایسی بارش جو جم کر برسے۔ ایسی بارش کو پنجابی میں پھانڈا کہتے ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے

أَوْ كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ

یا ان کی مثال اس بارش کی سی ہے جو آسمان سے برس رہی ہے جس میں اندھیریاں ہیں اور گرج اور چمک (بھی) ہے تو وہ کڑک کے باعث موت کے ڈر سے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں، اور اللہ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۹)

۹: وَابِل

وبل کے معنی (مویشی وغیرہ کو) لاٹھی سے لگاتار مارنا (منجد) اس کے معنی میں شدت اور ثقل پایا جاتا ہے۔ ابن فارس کہتے ہیں کے وبل کسی چیز میں شدت اور کثرت کے معنی دیتا ہے اور اپنی شدت اور تیزی کی وجہ سے خس و خاشاک تک بہائے جاتے ہیں اور یہ بارش کا آخری درجہ ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَه رِئَاۤءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُه كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَه وَابِلٌ فَتَرَكَه صَلْدًا لَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ

اے ایمان والو! اپنے صدقات (بعد ازاں) احسان جتا کر اور دُکھ دے کر اس شخص کی طرح برباد نہ کرلیا کرو جو مال لوگوں کے دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ روزِ قیامت پر، اس کی مثال ایک ایسے چکنے پتھر کی سی ہے جس پر تھوڑی سی مٹی پڑی ہو پھر اس پر زوردار بارش ہو تو وہ اسے (پھر وہی) سخت اور صاف (پتھر) کر کے ہی چھوڑ دے، سو اپنی کمائی میں سے ان (ریاکاروں) کے ہاتھ کچھ بھی نہیں آئے گا، اور اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں فرماتا (سورۃ البقرۃ آیت ۲۶۴)

ماحصل:

مطر: ہر طرح کی بارش

ماء: بمعنی پانی مجازاً استعمال ہوتا ہے۔

طل: شبنم یا پھوہار

ودق: دھیمی اور لگاتار بارش

غیث: مناسب وقت پر حسب ضرورت بارش

مدرار: پانی کی فراوانی پر دلالت کرتی ہے۔

غدق: ایسی بارش جس میں پانی وافر ہو اور سودمند بھی ہو۔ یعنی سبزہ اگانے کا باعث بنے

صیب: زوردار بڑے بڑے قطروں والی بارش، پھانڈا، بوچھاڑ

وابل: ایسی بارش جو خس وخاشاک بہالے جائے۔

☆☆☆☆

چار لاکھ درہم کا لقمہ

بنت محمد صاحبہ

خلیفہ ھارون الرشید نے ایک دن شاہی باورچی سے دریافت کیا کہ کیا ''جزدر'' (ایک قیمتی و نایاب جانور) کا گوشت ہے مطبخ خانے میں؟

شاہی باورچی نے جواب دیا: جی حضور

خلیفہ نے کہا: آج رات کا کھانا اسی سے ہوگا

رات کا کھانا لگایا گیا، خلیفہ کے دسترخوان کے پاس جعفر برمکی بھی موجود تھا۔ جب خلیفہ ھارون الرشید نے جزدر کے گوشت کا ایک نوالہ منہ کی طرف بڑھایا تو جعفر برمکی ہنس دیا، ھارون الرشید نے دریافت کیا کہ تم ہنسے کیوں؟

جعفر نے کہا کہ بس چھوڑیئے۔ ہارون الرشید کہنے لگے نہیں جب تک بتاؤ گے نہیں تب تک میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔

جعفر نے خلیفہ ھارون الرشید سے پوچھا کہ آپ کے خیال میں یہ جو ابھی ایک لقمہ آپ نے لیا ہے اسکی مالیت کیا ہوگی؟

ھارون الرشید نے جواب دیا: قریبا تین ہزار درہم

جعفر نے ھارون الرشید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ نہیں حضور اسکی قیمت 4 لاکھ درہم ہے۔

یہ سن کر ہارون الرشید حیران ہوا اور پوچھا وہ کیسے؟

جعفر کہنے لگا کہ کچھ عرصہ قبل بھی آپ نے اس گوشت کی فرمائش کی تھی اتفاق سے یہ گوشت اس وقت موجود نہ تھا آپ نے کہا کہ یہ گوشت شاہی باورچی خانے میں موجود رہنا چاہیے آپ تو یہ بات کرکے بھول گئے لیکن ہر روز اس جانور کے گوشت کی فراہمی یقینی بنائی گئی لیکن آپ نے دوبارا فرمائش نہیں کی، اس ہدایت کے بعد آج جزدر کے گوشت کی خواہش کی ہے اور ابھی تک 4 لاکھ درہم کا گوشت خریدا جا چکا ہے، بس مجھے اسی بات پر ہنسی آ گئی کہ صرف ایک ڈش کے لیے اب تک چار لاکھ درہم خرچ ہو چکے ہیں۔

یہ سنا تھا کہ ہارون الرشید کا خوف کے مارے برا حال ہوگیا زاروقطار رونے لگا کہ اسکی وجہ سے اتنا اسراف ہوگیا حکم دیا کہ دسترخوان اٹھالیا جائے اور کچھ نہ کھایا، مداوا کے لیے دو لاکھ درہم مکہ و مدینہ کے مستحق لوگوں کی طرف بطور خیرات بھیجے اور اتنے ہی کوفہ و بغداد کے فقرا میں تقسیم کیے لیکن قلق پھر بھی باقی رہا اور غم کے مارے کچھ نہ کھاسکا۔

امام ابویوسفؒ خلیفہ ھارون الرشید کے پاس آئے جب خلیفہ کو اس حال میں دیکھا تو پوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟ تب خلیفہ نے تمام ماجرا امام ابویوسفؒ کے سامنے رکھا اور کہا کہ اب تک قلق باقی ہے۔

امام ابویوسفؒ نے ساتھ کھڑے جعفر برمکی سے دریافت کیا کہ یہ جو ہر روز جانور ذبح کیا جاتا تھا کیا اسکا گوشت ضائع ہوجاتا تھا؟ اس نے جواب دیا نہیں ضائع تو نہیں ہوتا تھا بلکہ اسکو غریب لوگوں میں تقسیم کردیا جاتا تھا۔

امام ابویوسفؒ نے یہ سن کر خلیفہ کو تسلی دی کہ آپ پریشان نہ ہو بلکہ آپ کی بدولت غریب لوگ بھی ایسا شاندار کھانا کھاتے رہے ہیں اور یہ ایک صدقے کی مانند ہے۔

یہ سن کر خلیفہ کو تسلی ہوئی اور اس کا غم دور ہوا اور خلیفہ نے دسترخوان پر کھانا لگانے کا حکم دے دیا۔



کھانے میں برکت کا

نبوی فارمولا

چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

یارسول اللہ! ہم کھانا کھاتے ہیں مگر ہمارا پیٹ نہیں بھرتا۔

آپ ﷺ نے پوچھا:

" شاید تم لوگ علیحدہ علیحدہ کھاتے ہو؟ "

انہوں نے عرض کیا: جی ہاں!

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تم لوگ کھانا ایک جگہ جمع ہوکر اور اللہ کا نام لے کر کھایا کرو، تمہارے کھانے میں برکت ہوگی۔"

(سنن ابی داؤد:3766)

اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنا

محترمہ زنیرہ عقیل صاحبہ

آج کل جیسا کہ پورے ملک میں پھر سے الیکشن کی آوازیں ہیں تو اس سلسلے میں اسلامی نقطہ نگاہ سے آپ کس طرح اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کر سکتے ہیں۔ جبکہ حکم ہے کہ عہدے کی طلب مت کیا کرو اور بلا طلب مل جائے تو اللہ کی نصرت تم پر نازل ہوگی۔ اور اگر طلب کے بعد کوئی عہدہ ملا تو اس کے اس کے ہر اچھے برے کے ذمہ دار بھی تم خود قرار پاؤ گے۔ بس ایک بار یہ تحریر پڑھ لیجیے پھر فیصلہ کیجیے۔

۱۔ عام حالات میں اسلامی مزاج کے مطابق عہدہ واقتدار کی طلب غیر مستحسن ہے، کیوں کہ عہدہ کی طلب وحرص

''عبدالرحمن بن سمرۃ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: عہدہ کی طلب مت کرو، اگر تم کو بلا طلب عہدہ مل جائے تو اللہ کی نصرت تم پر نازل ہوگی، اور طلب کے بعد کوئی عہدہ حاصل کرو تو اس کے ذمہ دار تم خود قرار پاؤ گے۔'' (ص/ ۳۲۰، کتاب الامارۃ والقضاء)

''مشکوۃ المصابیح'': **عن عبد الرحمن بن سمرة قال: قال لي رسول الله ﷺ: ''لا تسأل الامارة فإنك إن أُعطِيتَها عن مسئلة وُكِلتَ إليها، وإن أُعطيتها عن غير مسئلة أُعِنتَ عليها''۔ متفق عليه۔**

۲۔ اور مسابقت ایک ایسی لذت ہے کہ اگر عہدہ چھن جائے تو پھر حسرتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عنقریب تم عہدوں کی مسابقت میں کود پڑو گے، حالانکہ یہ قیامت کے دن ندامت کا باعث ہوگا، دودھ دینے والا اور لذت بخش عہدہ بہت اچھا لگتا ہے، لیکن جب عہدہ چھن جاتا ہے اور دودھ کا تھن منہ سے نکل جاتا ہے، تو اتنا ہی برا لگتا ہے، پھر کیا حاصل ایسی لذتوں کا جن کے بعد حسرتوں کا سامنا کرنا پڑے۔'' (ص/ ۳۲۰، کتاب الامارۃ والقضاء، الفصل الاول، قدیمی)

''مشکوۃ المصابیح'': **عن أبي هريرة عن النبي ﷺ: "إنكم ستحرصون على الامارة وستكون ندامة يوم القيامة فنعم المرضعة وبئست الفاطمة"۔ رواه البخاري۔**

3۔لیکن اگر طلبِ عہدہ کے پیچھے کسی حظّ نفس کا دخل نہ ہو بلکہ محض انسانیت کا درد، امانت و دیانت کے ساتھ مفاداتِ عامہ کے تحفظ کا جذبہ کارفرما ہو، نیز انسانوں کو صحیح فائدہ پہنچانا، خلقِ خدا کو جبر وظلم سے نجات دلانا اور شرور وفتن سے بچانا مقصد ہو، فساق وفجار کے منتخب ہونے سے معاشرہ میں بے دینی کی ترویج کا خطرہ ہو، اور اس عہدہ ومنصب کے لائق دیگر افراد موجود نہ ہوں، بلکہ تنہا وہی شخص اس عہدہ کے لیے موزوں ہو، تو اب اس پر مذکورہ تمام مقاصد کے حصول کے لیے الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنا واجب ہے

''البحر الرائق'': **وليس النهي عن السؤال على إطلاقه بل مقيد بأن لا يتعين للقضاء أما إن تعين بأن لم يكن أحد غيره يصلح للقضاء وجب عليه الطلب صيانة لحقوق المسلمين ودفعا لظلم الظالمين۔**

(۶/ ۴۵۹، کتاب القضاء، فتح القدیر: ۷/ ۲۴۴، الفتاوی البزازیۃ علی ہامش الہندیۃ: ۵/ ۱۳۱، الأحکام السلطانیۃ للماوردي :ص/ ۷۵)

''القرآن الکریم'': **اجعلني على خزائن الأرض إني حفيظ عليم**

''(یوسف نے) کہا مجھے ملک کے پیداواروں پر مامور کر دیجیے میں دیانت (بھی) رکھتا ہوں علم (بھی) رکھتا ہوں۔'' (سورۂ یوسف: ۵۵)

''التفسیر الماجدي'': 'یعنی ایسے بڑے اور ذمہ دارانہ عہدہ کے لیے ضرورت دو ہی چیزوں کی ہوتی ہے، ایک دیانت وامانت، دوسرے اس کام سے واقفیت، سو مجھ میں یہ دونوں وصف موجود ہیں، حضرت یوسف کا عہدہ گویا آج کل کی اصطلاح میں وزیر مال (ریونیو منسٹر) اور وزیر خزانہ (فنانس منسٹر) کا جامع تھا۔ اجعلني علی خزائن الارض۔......مفسرین نے لکھا ہے کہ جب مقصود نفع رسانی ہو نہ کہ نفس پروری، تو اپنے کو عہدہ ومنصب کے لیے پیش کر دینا ناجائز نہیں، یہاں تک کہ غیر مسلم نظام حکومت کے ماتحت بھی عہدہ ومنصب قبول کر لینا مطلق صورت میں حرام نہیں۔ انی حفیظ علیم۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ کسی کو واقف کرنے کے لیے اپنے فضل وکمال کو بیان کر دینا بالکل جائز ہے۔......مرشد تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت میں دلالت ہے کہ منصب وحکومت کی درخواست جب کہ اس میں مخلوق کا نفع ہو اور خود اپنا یہ ضرر نہ ہو کہ غیر اللہ میں مشغول ہو جائے قادح کمال نہیں۔''

(ص/ ۴۹۷، سورۂ یوسف، آیت نمبر: ۵۵، حاشیہ نمبر: ۱۱۰)

’’بیان القرآن للتھانوي‘‘: اجعلني الخ۔
’’معلوم ہوا کہ جب کسی کام کی لیاقت اپنے اندر منحصر دیکھے خود اس کی درخواست جائز ہے مگر مقصود نفع رسانی ہو نہ کہ نفس پروری ۔‘‘ (۲/ ۲۵۴، ادارہ تالیفات اشرفیہ پاکستان)
’’معارف القرآن‘‘: ’اگر آج بھی کوئی شخص یہ محسوس کرے کہ کوئی عہدہ حکومت کا ایسا ہے جس کے فرائض کو کوئی دوسرا آدمی صحیح طور پر انجام دینے والا موجود نہیں، اور خود اس کو یہ انداز ہے کہ میں صحیح انجام دے سکتا ہوں، تو اس کے لیے جائز ہے بلکہ واجب ہے کہ اس عہدہ کی درخواست کرے، مگر اپنے جاہ و مال کے لیے نہیں، بلکہ خدمتِ خلق کے لیے، جس کا تعلق قلبی نیت اور ارادہ سے ہے، جو اللہ تعالیٰ پر خوب روشن ہے [قرطبی]۔‘‘ (۵/ ۹۱، قرطبی: ۹/ ۲۱۶-۲۱۷، روح المعاني: ۳/ ۲۲۵)
’’أحکام القرآن للتھانوي‘‘: ۔۔۔۔۔ ویستدل بالآیۃ علی أحکام: ۔۔۔۔ الأول جواز طلب الملک والمنزلۃ في الدنیا إذا کان الغرض صالحًا، کما وقع من نبي اللہ یوسف علیہ السلام حیث قال: {اجعلني علی خزائن الأرض إني حفیظ علیم} وکما طلب سلیمان علیہ السلام ملکا لا ینبغي لأحد من بعدہ۔ الخ۔ (۴/ ۴۳، أحکام القرآن لابن العربي: ۲/ ۱۶۴۹، سورۃ ص/ ۳۵)
4۔ البتہ وہ شخص از خود پرچۂ امیدواری داخل نہ کرے بلکہ دوسرے لوگوں کے ہاتھوں پرچۂ نامزدگی داخل کریں، تا کہ وہ طلبِ عہدہ میں متہم نہ ہو۔

علامہ کاسانی کتاب آداب القاضی میں تحریر فرماتے ہیں: ’’عہدۂ قضا کے طالب کو منصبِ قضا دینا ناجائز نہیں ہے، اگر اس میں اس عہدہ کی واقعی اہلیت موجود ہو تو باتفاق فقہاء ایسے شخص کو عہدۂ قضا دینا درست ہے، البتہ بہتر ہے کہ ایسے شخص کے بجائے کسی ایسے شخص کو تلاش کیا جائے جس میں عہدہ کی طلب نہ ہو، اس لیے کہ طلب کی بنا پر انسان اپنے حق میں متہم ہو جاتا ہے۔‘‘ ’’وأما ترک الطلب فلیس بشرط لجواز التقلید بالإجماع، فیجوز تقلید الطالب بلا خلاف، لأنہ یقدر علی القضاء بالحق، لکن لا ینبغي أن یقلد، لأن الطالب یکون متہمًا‘‘۔ (۹/ ۹۱، کتاب آداب القاضي) (مسلمانوں کے مسائل اور ان کا شرعی حل: ص/ ۵۵)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’اگر واقع میں وہ اپنے اس دعویٰ میں سچا ہے، یعنی قابلیت بھی رکھتا ہے اور امانت و دیانت کے ساتھ قوم کی خدمت کے جذبے سے اس میدان میں آیا ہے تو اس کا یہ عمل کسی حد تک درست ہے، اور بہتر طریق اس کا یہ ہے کہ کوئی شخص خود مدعی بن کر کھڑا نہ ہو، بلکہ مسلمانوں کی کوئی جماعت اس کو اس کام کا اہل سمجھ کر نامزد کر دے۔‘‘
(جواہر الفقہ: ۲/ ۲۹۱، مطبوعہ دیوبند، مسلمانوں کے مسائل اور ان کا شرعی حل: ص/ ۵۶، فتاوی حقانیہ: ۲/ ۳۱۵، انتخابات میں خود امیدوار بننا، نئے مسائل اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے فیصلے: ص/ ۱۳۶، بائیسواں فقہی سمینار ’’امروہہ یوپی‘‘ بتاریخ: ۲۵-۲۷/ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ مطابق ۹-۱۱/ مارچ ۲۰۱۳ء)

جنت میں کون جائے گا؟

محترمہ رعنا دلبر صاحبہ

مصر پر علوی خاندان کے پانچویں حکمران اسماعیل پاشا کے دور حکومت میں ایک فتنہ اٹھا، ہر کسی کی زبان پر ایک ہی سوال تھا کہ ''جنت میں یہودی جائیں گے، عیسائی جائینگے یا مسلمان جائینگے۔'' اس فتنے کو ختم کرنے کے لیے اسماعیل پاشا نے مسلمانوں کے ایک بڑے عالم دین کو، یہودیوں کے بڑے ربی کو اور عیسائیوں کے ایک بڑے پادری کو اپنے دربار میں طلب کیا اور ان کے سامنے یہی سوال رکھا کہ جنت میں کون جائے گا

یہودی، عیسائی یا مسلمان۔؟

سوال سن کر مسلمانوں کے اس وقت کے بڑے عالم اور امام محمد عبدہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ

''اگر یہودی جنت میں گئے تو ہم بھی جنت میں جائینگے کیونکہ ہم ان کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یمان رکھتے ہیں۔

اگر عیسائی جنت میں گئے تو ہم بھی ان کے ساتھ جنت میں جائینگے کیونکہ ہم ان کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں۔

اگر مسلمان جنت میں گئے تو ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ اکیلے ہی جنت میں جائینگے، ہمارے ساتھ کوئی یہودی اور عیسائی نہیں جائے گا کیونکہ انہوں نے ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی نہیں مانا اور نہ ان پر ایمان لائے۔''

امام محمد عبدہؒ کا یہ مدلل جواب سن کر تمام ناقدین پر سکتہ طاری ہو گیا اور یہودی ربی و عیسائی پادری سر جھکا گئے۔ امام محمد عبدہؒ کا مختصر سا جواب جامع، معقولیت سے بھرپور، ادب و احترام کے ساتھ رواداری کی عمدہ مثال اور حکمت و دانائی کا مرقع تھا۔ آپؒ کا جواب سن کر اسماعیل پاشا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

امام محمد عبدہؒ کے اس جواب کے بعد یہودی مربی و عیسائی پادری خاموشی سے اٹھ کر چلدیے اور یہ باب ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔

☆☆☆☆